تقاریر امام غزالیؒ

(اُردُو ترجمہ)

37

بار اوّل

تعداد ایک ہزار

قیمت

دو روپے پچیس نئے پیسے

ناشر

چمن بک ڈپو، اردو بازار، دہلی ۶

مطبوعہ:- بیری آرٹ پریس دریا گنج دہلی

لکچر امام غزالی ترجمہ رسالہ منقذ من الضلال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام ثنائیں اُس اللہ تعالیٰ کو شایاں ہیں جس کی ثناء سے ہر ایک رسالہ اور مقالہ شروع کیا جاتا ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں جو صاحب نبوت و رسالت ہیں۔ اور آپ کی آل و اصحاب پر ہوں جو گمراہی سے نجات دینے والے ہیں۔ اما بعد۔ اے دینی بھائیو آپ پر واضح ہو کہ آپ نے جو مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں آپ کو علوم کے غایات و اسرار بتلاؤں اور مذاہب کے نشیب و فراز بتلاؤں، اور میں آپ کے سامنے اُن مصائب و تکالیف کا بیان کروں جو میں نے مختلف فرقوں کے ایچ پیچ میں سے امر حق اور راست کے نکالنے میں اٹھائے ہیں۔ باوجودیکہ طریق اور فریق بہت سے پھیلے ہوئے تھے اور نیز اُس جرأت کا ذکر کروں جو میں نے تقلید[1] کے گڑھے سے نکل کر تحقیق کے اوج تک پہنچنے میں کی تھی اور وہ فوائد بھی بیان کروں۔ جو ابتدا میں علم کلام

[1] نوٹ۔ اس تقلید کو تقلید شرعی نہ سمجھنا اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

سے میں نے حاصل کئے تھے۔ اور پھر وہ مطالب ومضامین آپ کے سامنے ظاہر کروں جو اہل تعلیم سے یعنی اُن سے میں نے دریافت کئے تھے جو حق کے دریافت کرنے میں تقلید امام[۱] معصوم سے قاصر ہے اور ان کے بعد میں مذاہب فلسفیہ کا ذکر کروں جن کو میں بُرا ثابت کر چکا ہوں اور اس کے بعد طریق تصوف کا بیان کروں جس کو میں پسند کرتا ہوں اور ان آثارِ حق اور نشانات راستی کا تذکرہ کروں جو مجھ کو اُن دنوں حاصل ہوئے جبکہ میں اقوال خلق سے امور حقہ کی تلاش میں سرگردان تھا۔ اور یہ بھی بیان کروں کہ پہلے میں بغداد میں جو بہت سے طلباء کو پڑھاتا تھا اس کو میں نے کیوں چھوڑا۔ اور پھر میں نے ایک مدت کے بعد نیشاپور کی طرف کس وجہ سے معاودت کی۔ تو اب میں آپ کی سچی رغبت اس طرف پاکر اس سبب حال کو عرض کرتا ہوں اور اس بیان میں اللہ سے مدد اور توفیق چاہتا ہوں اُس پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میری التجا ہے (کہ اس کام کو پورا کرے)

صاحبو:۔ خداوند تعالیٰ آپ کو راہ راست دکھاوے اور

---

[۱] امام سے کوئی امام آئمہ اربعہ سے نہ سمجھنا اس کا مفصل ذکر آئندہ آئے گا۔

اور اطاعت امرِ حق کے لئے نرم اور سرگرم کرے آپ پر واضح ہو کہ خلق میں جو بہت سے دین اور ملتیں ہیں۔ اور پھر اُمت محمدی میں جو بہت سے مذاہب اور بہت سے فرقے ہیں یہ اختلاف اور تفرقہ ایک ایسا بحرِ عمیق ہے کہ اکثر لوگ اس میں غرق ہوئے ہیں اور بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ جنہوں نے اس سے نجات پائی ہے۔ ہر ایک فرقہ کا یہی خیال ہے کہ میں ہی نجات پاؤں گا۔ یہی تفرقہ ہے جس کی بابت مخبرِ صادق حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر صداقت اثر دی تھی کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقے ہو جائے گی اور ان میں سے ناجی فرقہ ایک ہی ہوگا۔ پس وہی وقوع میں آیا جس کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ میں ابتدائی ایام شباب سے جبکہ میری عمر بیس برس سے کم تھی اس وقت تک کہ میرا سن پچاس سے کچھ زیادہ ہے ہمیشہ اسی بحرِ عمیق میں غوطہ زنی کرتا رہا۔ مگر میری غوطہ زنی ڈرپوک نامراد آدمی کی سی نہ تھی۔ بلکہ دلیر مرد آدمی کی سی تھی۔ ہر ایک اندھیری جگہ میں گھس کر دیکھتا بھالتا تھا اور ہر ایک مشکل مسئلہ میں خوض کرتا تھا۔ اور ہر ایک بھنور میں جا گھستا تھا۔ اور ہر ایک فرقے کے عقیدے کا تفحص کرتا

تھا اور ہر گروہ کے اسرار مذہب پر اطلاع حاصل کرتا تھا
تاکہ اہلِ حق اور اہل باطل میں تمیز کر دوں اور اہل سنت
اور بدعتی کو جانوں۔ میں نے نہ تو کسی باطنی فرقے کو اس
کی بطانت دریافت کئے بدون چھوڑا۔ اور نہ کسی
ظاہری فرقے کو اُس کی حصول ظہارت معلوم
کئے بدون چھوڑا۔ اور نہ میرے ہاتھ سے فلسفی چھوٹا
جس کی فلسفیت اور حکمت کی کُنہ میں نے نہ دریافت
کی ہو۔ اور نہ کوئی متکلم یعنی اہل علم کلام بچا۔ جس
کی بحث مباحثہ اور تکلم کی آخری حد تک پہنچنے کا میں
نے قصد نہ کیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا صوفی بچا کہ جس کی
صفائی اور تصوف پر اطلاع حاصل کرنے کی رغبت میں نے
نہ کی ہو اور نہ کوئی عابد و زاہد مجھ سے چھوٹا جس کی عبادت
کا مرجع و انجام میں نے معلوم معلوم نہ کیا ہو۔ اور نہ کوئی
زندیق اور معطل میں نے چھوڑا کہ جس کی بنا اور اصلیت
میں نے نہ معلوم کی ہو کہ کس سبب سے اُس نے زندیق
اور معطل بننے پر جرارت کی۔ یہ جو حقائق امور کے دریافت
کرنے کا شوق مجھے ابتدائے عمر سے رہا ہے ایک امر قدرتی اور
مادہ فطرتی تھا۔ جو خداوند تعالیٰ نے میرے سرشت میں رکھا
ہوا تھا نہ کہ امر اختیاری اور کسبی۔ ہوتے ہوتے

تقلید[1] کا پھندا میرے گلے سے نکل گیا اور جو عقائد موروثہ بچپن سے میرے ذہن نشین تھے اُن کا شیشہ ٹوٹ گیا کیوں کہ میں نے دیکھا کہ عیسائی بچوں کا نشو و نما عیسائی مذہب پر ہوتا ہے اور یہودیوں کا یہودیت پر اور مسلمان بچوں کا اسلام پر اور یہ حدیث نبوی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میں نے سنی تھی۔ کہ ہر ایک لڑکا فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی کر لیتے ہیں یا عیسائی بنا لیتے ہیں۔ پس میرے دل نے یہ چاہا کہ کہ حقیقت فطرت اصلیہ کو اور حقیقت اُن عقائد کو جو تقلید والدین اور استادوں سے پیدا ہو جاتی ہیں دریافت کرے اور ان تقلیدات اور تلقینات میں تمیز کرے۔ جن کی وجہ سے تمیز حق و باطل میں اختلافات ہیں۔ تب میں نے اپنے دل سے کہا کہ تیرا مطلب علم حقائق امور سے حاصل ہوگا مگر پہلے تجھ کو علم کی ماہیت معلوم کرنی چاہیئے کہ وہ کیا ہے پس مجھ کو معلوم ہوا کہ علم وہی علم یقینی ہے جس سے شے معلوم اس طرح پر منکشف ہو جائے کہ اس میں کسی طرح کا شک و ریب باقی نہ رہے اور وہم و غلط کا امکان یہانتک اٹھ جائے

---

[1] اس تقلید سے مراد تقلید شرعی نہیں ہے جیسا کہ بیان آیندہ سے ظاہر ہوگا۔

کہ دل کے گرد اس کا خیال بھی نہ پھٹک سکے۔ بلکہ اس کا خطا سے مامون ہونا یقین کے ساتھ اس قسم کا تعلق رکھے کہ اگر کوئی ایسا شخص جو پتھر کو زر خالص بنا دے اور لاٹھی سے سانپ بنا کر دکھائے وہ بھی اس علم کے برخلاف کہے اور اس کا بطلان ثابت کرے۔ تب بھی اس میں شک راہ نہ پاوے۔ کیونکہ جب مجھ کو یہ ثابت ہوگیا کہ دس زیادہ ہیں تین سے۔ پس اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں بلکہ تین زیادہ ہیں دس سے بدیں دلیل کہ میں لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھا دیتا ہوں اور اس نے بنا کر مجھے ایسا دکھا بھی دیا تو گو مجھے اس کے اس طرح انقلاب ماہیت کر دکھانے سے تعجب ہو کہ یہ قدرت اس کو کس طرح حاصل ہوئی لیکن با اینہمہ میرے اس علم میں شک ذرا بھی دخل نہ پائے پھر میں نے یہ سمجھا کہ جو علم مجھ کو اس درجہ کے یقین قطعی سے نہ حاصل ہوگا اس علم پر میں اعتبار نہ کروں گا اور مجھے اس پر بھروسہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر علم جس میں شک سے امان نہ ہو علم یقینی نہیں ہے۔

قول۔ مداخل سفسطت اور انکار علوم کے بیان میں

پھر میں نے اپنے علوم کی تفتیش شروع کی تو اولاً مجھ کو

یہ ظاہر ہوا کہ سوائے حسیات اور ضروریات کے اور قسم کے علوم یقینی اور قطعی سے میں بالکل بے بہرہ ہوں تب میں نے اپنے جی میں کہا کہ اس حالِ یاس میں میری مشکلات حسیات اور ضروریات سے حل ہوں گی (اور علم یقینی مجھ کو حاصل ہوگا) مگر پھر مجھ کو اس بات کا دیکھنا ضرور ہوا کہ آیا حسیات پر میرا بھروسہ رکھنا اور ضروریات کو غلطی سے مامون سمجھنا ایسا تو نہیں ہے جیسا کہ میں اس سے پیشتر تقلیدات کو یقینی اور خطا سے مامون سمجھتا تھا اور اس پر بھروسہ رکھتا تھا اور اکثر خلق کا نظریات پر بھروسہ ہوتا ہے یا میرا بھروسہ ایسا ہے جیسا کہ محقق کا ہوتا ہے اور اس میں کوئی شائبہ شک اور غائلہ ریب کا نہیں ہوتا۔ تب میں محسوسات اور ضروریات میں جد و جہد اور کوششِ بلیغ سے تامل کرنے لگا اور ان کو دیکھنے لگا کہ کوئی شک تو ان میں امکان نہیں رکھتا اس حال میں مجھ کو ان میں بڑے شکوک معلوم ہوئے اور یہاں تک کہ محسوسات میں وسیع شک پیدا ہوا کہ میرے دل نے ان پر یقین اور اعتماد کرنا ہی چھوڑ دیا اور کہا کہ محسوسات پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔ دیکھو ان میں

قومی تر حاسہ حسِ بصر ہے اور وہ سایہ کو کھڑا دکھاتی ہے اور غیر متحرک یقین کراتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ ساکن نہیں تھا۔ اور ایک ہی دفعہ متحرک نہیں ہوا بلکہ بتدریج تھوڑا تھوڑا متحرک تھا۔ حتیٰ کہ کسی وقت وہ ساکن ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح آنکھیں ستاروں کو چھوٹے چھوٹے بقدر دینار کے دیکھتی ہیں اور دلائل علم ہندسہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مقدار میں زمین سے بڑے ہیں۔ ایسے ہی اور بہت سے محسوسات ہیں جن کی نسبت حواس ایک حکم دیتے ہیں اور عقل اس کو جھوٹا ثابت کرتی ہے تب میں نے اپنے جی میں کہا کہ اب تو محسوسات پر بھی اعتماد نہ رہا شاید وہ امور عقلیہ ہی قابل اعتماد ہوں۔ جو از قسم اولیات ہیں جیسے کہ ہم کہیں دس زیادہ ہیں تین سے اور اور نفی و اثبات ایک شئے میں جمع نہیں ہو سکتے اور ایک چیز قدیم اور حادثات معدوم اور موجود واجب اور محال نہیں ہو سکتی اس پر محسوسات بولیں کہ جناب عقلیات پر تو آپ کبھی اعتماد اور وثوق نہیں ہو سکتا جیسا کہ محسوسات پر ہوتا ہے۔ پہلے تو آپ کو ہم پر اعتماد تھا اسپر حاکم عقل نے ہماری تکذیب

کرکے آپ کو وہاں سے سرکا دیا۔ اگر عقل سا زبردست حاکم نہ ہوتا تو آپ ہمیشہ ہماری ہی تصدیق کرتے رہتے ممکن ہے کہ عقل کے سوائے کوئی اور حاکم بھی ہو جو حاکم عقل کی بھی قلعی کھول دے جیسا کہ عقل نے ہماری قلعی کھول دی ہے اور یہ امر کہ فی الحال اُس ادراک حاکم زبردست کی جو عقل سے بڑھ کر ہو آپ پر حکومت نہیں ہے دلیل اس کی نہیں ہو سکتا کہ در حقیقت بھی وہ نہیں ہے اور اس کا ہونا محال ہے۔ پس میرے دل نے اس کے جواب میں ذرا تامل کیا۔ اسی میں اُس اعتراض کی تائید خواب سے ہوئی اور دل نے کہا کہ کیا تم خواب میں ایسے امور و خیالات نہیں دیکھتے جن کا اس وقت آپ کو پورا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور ان کے ثبات و قرار میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا لیکن جب دم بھر میں عالم بیداری ہوتا ہے تو آپ کو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب خیالات اور اعتقادات محض بے اصل اور بے بنیاد تھے۔ پس اسی طرح کیوں کر یقین کر سکتے ہو کہ جمیع امور عقلیہ اور محسوسات جن پر تم نے عالم بیداری میں یقین کر لیا ہے وہ در حقیقت حق

اور درست ہیں ہاں اتنا کہہ سکتے ہو کہ اس حالت کی نسبت سے حق ہیں۔ لیکن اگر اس حالت پر کوئی اور حالت طاری ہو جاوے جس کو آپ کی حالت بیداری سے وہی نسبت ہو جو حالت خواب کو بیداری سے تھی اور جس کی نسبت آپکا یہ عالم بیداری مثل عالم خواب کے ہو۔ تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ آپ نے عقل کے زور سے خیالات لگائے تھے وہ توہمات لاحاصل تھے اور شاید یہ حالت وہی حالت ہو جس کا دعویٰ اہل تصوف کرتے ہیں کیونکہ جب وہ اپنے آپ سے غایب اور بے ہوش ہوتے ہیں اور اپنے باطن میں مستغرق اور محو۔ تو اُس وقت وہ ایسے حالات دیکھتے ہیں جو عقلی امور کے برخلاف ہوتے ہیں۔ یا شاید یہ حالت حالتِ موت ہو۔ جیسا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (لوگ سوئے ہیں۔ جب مریں گے تب جاگیں گے) پس ایسی صورت میں حیات دنیوی بہ نسبت عالم آخرت کے حالت خواب ہوگی اور جب کوئی مریگا اس کو عالم آخرت کی اشیاء خلاف مشاہدہ عالم حیات کے ظاہر اور ثابت ہوں گی اور اس وقت یہ قول ثابت آئے گا۔

(فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید)

(ہم نے کھول دیا تجھ سے تیرا پردہ پس تیری نظر آج تیز ہے)

جب یہ اندیشے میرے دل میں گزرے تو میں اپنے دل میں بہت کڑھا۔ ہر چند میں نے چاہا کہ اس مرض کا علاج کریں۔ لیکن کچھ بن نہ پڑا۔ کیوں کہ اس مرض کا دفعیہ بدون ثبوت اور دلیل کے ہو نہیں سکتا اور دلیل و ثبوت کا قایم کرنا بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ علوم اولیات سے اس کو مرکب کیا جائے۔ مگر ان پر اعتبار نہ رہا اس لئے یہ مرض لا علاج اور نہایت مشکل معلوم ہوا اور قریب دو ماہ کے لاحق رہا۔ ان دو ماہ میں میرا حال مثل سو فسطائی لوگوں کے رہا۔ مگر یہ صرف حال تھا نہ نطق اور مقال۔ بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس مرض سے شفا بخشی۔ اور طبیعت اعتدال کی طرف رجوع ہوئی۔ کہ میں ضروریات عقلیہ کو یقین کے ساتھ تسلیم کرنے لگا اور خطا سے محفوظ ماننے لگا۔ مگر یہ تسلیم ترتیب دلیل اور نظم کلام سے نہ تھی بلکہ اس نور سے تھی جو حضرت حق سبحانہٗ نے میرے دل میں ڈالا تھا اور شرح فرمایا تھا۔ اور یہی اور اکثر عرفانی امور کی تالی اور کلید

پس جس شخص نے یہ گمان کیا ہے کہ کشف (حقائق) صرف دلائل پر موقوف و منحصر ہے اُس نے اللہ تعالےٰ کی رحمت وسیع کو تنگ اور محدود کر دیا۔ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معنے شرح صدر آیت فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام پوچھے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالےٰ دل میں ڈال دیتا ہے) پھر پوچھا گیا کہ اُس کی علامت کیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دنیا سے منہ پھیرنا جو دارِ غرور ہے۔ اور عاقبت کی طرف رجوع کرنا جو دار پائیدار ہے۔) اور یہی مطلب ہے اُس حدیث کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور چھڑکا) پس اس نور سے کشف کو طلب کرنا چاہیے نہ صرف دلائل عقلیہ سے اور چونکہ یہ نور جو دو رحمت الٰہی سے بعض مستعدوں کے دلوں میں پڑتا ہے۔

اس لئے ہر شخص کو اس کا ستر صد رہنا چاہیئے - جیسے حضرت سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (تمہاری زندگی کے ایام میں خدا کی رحمت کی بہت سی لپٹیں (یعنی خوشبوئیں) ہیں - پس تم اُن کی تاک میں رہو) اس بیان سے یہ مقصود ہے کہ اسکی طلب میں کمال جدوجہد کرو - یہاں تک کہ طلب تمہاری طلب مالا یطلب[۲] تک پہنچ جاوے (یعنی اُس چیز تک پہنچ جاوے جو طلب تمہاری سے بالا تر ہو) کیونکہ اولیات مطلوبہ نہیں ہیں کس لئے کہ وہ تو حاضر ہیں اور حاضر طلب کرنے سے گم اور مخفی ہوجاتا ہے -

---

۱ یعنی طلب کشف حقائق میں بواسطہ اس نور کے جس سے شرح صدر مراد ہے کوشش کرو -

۲ مالا یطلب سے مراد کشف حقائق ہے جو عقل کی طلب سے بالاتر ہے اور عقل اس کی طلب میں قاصر ہے -

۳ مطلوب وہی ہوتا ہے جو طلب سے غایب ہو اور اس کے قبضہ اقتدار فعلی سے باہر حضور شے اور طلب شے میں تضاد کلی ہے جس شے کا مطلوب ہونا قرار دیا جائے گا اس کا غایب ہونا واجب ہوگا اور حاضر ہونا محال اسی طرح جو شے حاضر ہو اس کا مطلوب ہونا محال ہے - پس جس شے کو حاضر مانا جایگا وہ مطلوب نہ ہوگی اس لئے فرماتے ہیں کہ حاضر طلب کرنے سے گم ہوجاتا ہے

اور جو کوئی [1] مالا یطلب کی طلب کرتا ہے اس پر کوئی اتہام تقصیر کا طلب مالا یطلب میں نہیں لگایا جاتا۔

قول ۲۔ اصناف طالبین کے بیان میں

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفا بخشی تو میں نے طالبانِ حق کو چار فرقوں میں پایا۔

ایک متکلمین ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اہل رائے اور اہل نظر ہیں۔

دوسرے باطنیہ ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اصحاب تعلیم ہیں اور امام معصوم سے اقتباس انوار میں مخصوص ہیں۔

تیسرے فلاسفہ ہیں جن کا یہ زعم ہے کہ ہم اہل منطق و برہان ہیں۔

چوتھے صوفیہ ہیں جو خاصانِ درگاہ الٰہی ہیں اور صاحبان مشاہدہ و مکاشفہ ہیں۔ تب میں نے اپنے جی میں کہا کہ

---

[1] یعنی عرفا جو کشف حقائق کے طالب ہیں جن کی طلب میں عقلا قاصر ہیں اُن پر یہ اتہام کوئی نہیں لگا سکتا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی طلب میں قاصر ہیں جن چیزوں کو عقلا بھی طلب کر سکتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب عرفا مقصود اصلی کی طلب میں قاصر نہیں تو ان کو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ دوسرے مطالب میں قاصر ہوں گے ۱۲

حق ان چار فرقوں سے باہر نہیں (یعنی ایک ان چاروں میں سے حق پر ہے) کیونکہ لوگ حق کے طالب اور حق کی تلاش میں ہیں۔ اگر ان سے بھی حق باہر ہو تو پھر حق کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ جیسے تقلید چھوڑ کر پھر تقلید کی طرف رجوع کرنے کی امید نہیں رہتی۔ اور مقلد جب ہی تک مقلد ہے، جب تک یہ نہ جانے کہ میں مقلد[1] ہوں۔ اور جب مقلد نے یہ جانا کہ میں مقلد ہوں تو اس کی تقلید کا شیشہ ٹوٹ گیا اور اس میں بال اور شگاف آگیا کہ پھر ملانے اور چپکانے

---

[1] نوٹ:- ہر مقلد علے قدر اپنے حال کے محقق ہوتا ہے۔ کیونکہ تقلید سے پہلے وہ جس امر میں جس کی تقلید کرتا ہے۔ اپنے خیال میں پہلے سمجھ لیتا ہے۔ کہ یہ امر حق ہے۔ جب تقلید کرتا ہے تو گویا اپنے تحقیق پر عمل کرتا ہے اور محقق ہے اس لئے مقلد کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اپنے مقلد ہونے کو نہ جانے ورنہ مقلد نہ ہوگا یہاں ان میاں جی صاحب کی حکایت خوب یاد آئی۔ جن کے پاس گھر سے نائی آیا تھا اور اس نے رو کر کہا کہ آپ کی بیوی رانڈ ہوگئی۔ یہ سن کر وہ بھی رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کہ جناب آپ تو زندہ ہیں۔ پھر آپ کی بیوی کیسے رانڈ ہوئی اور آپ کیوں روتے ہیں۔ کہا یہ تو سچ ہے مگر مصرعہ

گھر سے آیا ہے معتبر نائی

مگر یہ اطلاع سے ہے کہ یہاں تقلید کے چھوڑنے سے تقلید کسی امام آئمہ اربعہ کی چھوڑنی مراد نہیں ہے کلام کو اپنے مقام کے لحاظ سمجھنا چاہئے اور اس کو یاد رکھئے گا المقلد فی الشریعة ناجی والمقلد فی الطریقة هالك۔

سے وہ نہیں جڑتا۔ جب تک کہ اس کو پھر آگ میں ڈال کر نہ گلایا جاوے اور نیا شیشہ نہ بنایا جاوے (یہ بات اپنے دل سے کہہ کر) میں نے ان چاروں فرقوں کے سلوک پر چلنے کا اور اس امر کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا کہ دیکھوں ان کے پاس کیا کچھ ہے۔ پہلے میں علم کلام پر عبور کروں گا۔ پھر علم فلسفہ پر۔ پھر تعلیمات باطنیہ پر۔ پھر طریق صوفیہ پر

قول ۳۔ علم کلام کے مقصود اور اُسکے حاصل کے بیان میں

سب سے پہلے میں نے علم کلام کو شروع کیا۔ پھر میں نے اس کو تحصیل کیا اور اس کو خوب سمجھا اور انکے محققین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس میں کتابیں تصنیف کیں۔ تو مجھے ثابت ہوا کہ یہ علم اپنا مقصود تو پورا کرسکتا ہے لیکن میرا مقصود پورا نہیں کرسکتا۔ اس علم کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کی حفاظت کرے اور اس کو اہل بدعت کی تشویش سے بچائے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پہلے عقیدہ برحق سکھایا جس پر ان کی دین و دنیا کی بہتری منحصر تھی جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث شریف اسپر گواہی دیتی ہیں۔ لعد ازاں شیطان

نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر ایسی بدعات
کھڑی کر دیں۔ جو عقیدہ اہل سنت کے برخلاف تھیں۔ اور
وہ لوگ اُن بدعات پر مصر ہوئے۔ اور قریب تھا کہ عقیدہ
اہلِ حق میں تشویش پڑ جاوے۔ تب اللہ تعالےٰ نے متکلمین
کا گروہ پیدا کیا اور ان کے دلوں میں سنت کی نصرت
کرنے کا داعیہ ڈالا تاکہ کلام مرتب اور دلائل سے
بدعتیوں کی اُن نئی بدعتوں کی قلعی کھولیں جو سنت ماثورہ
کے برخلاف ہیں۔ اس طرح سے علم کلام اور متکلمین پیدا
ہوئے۔ اُن میں سے بعض متکلمین نے لوگوں کو راہ حق کی
طرف لانے پر خوب ہی اعتراض دفع کئے۔ اور جو عقیدہ
اُن کو حضرت نبوت سے پہونچا تھا اُس پہ تیر اندازوں
کا بخوبی مقابلہ کیا۔ اور جو بدعات اُس کے اندر اہل بدعت
نے پیدا کر دیئے تھے اُن کو دور کیا۔ لیکن متکلمین نے اِس بارہ
میں بعض مقدمات مسلمہ خصم پر اعتبار و اعتماد کیا ان امور
مسلمہ کی تسلیم پر مباحثات اور مناظرات میں، یا تو تقلید
کے سبب سے مجبور ہوئے یا اجماع امّت کی
جہت سے۔ یا خود انہوں نے قرآن و حدیث
سے لے کر انہیں قبول کر لیا۔ یہ لوگ فریق
مخالف کے مقابلہ میں اکثر اور امور مسلمہ سے کام

لیتے تھے۔ اور استخراج مطالب کا انہیں سے کرتے تھے مگر یہ امر اس شخص کے حق میں زیادہ مفید نہیں جو سوائے ضروریات کے اور کسی چیز کو نہ مانتا ہو اس لئے میرے حق میں یہ علم کلام کافی نہ تھا اور جس مرض کی مجھے شکایت تھی اس کی شفا اس سے نہ ہو سکتی تھی ہاں جب علم کلام نکلا اور اس میں بہت غور ہوتی رہی تو دیر تک متکلمین عقاید اہل سنت سے اعتراضات کو بذریعہ بحث حقایق امور کے دفع کرتے رہے مگر اس میں جواہر و اعراض اور ان کے احکام کی بحث بہت بڑھ گئی اور چونکہ ان کے علم کا مقصود یہ نہ تھا۔ اس لئے انکا کلام مقصدِ اقصیٰ کو نہ پہنچا اور اس سے یہ بات حاصل نہ ہوئی کہ ظلمات حیرت جو اختلافات خلق میں ہے وہ بالکل دور ہوجائے اور ممکن ہے کہ میرے سوائے کسی اور کو یہ فائدہ حاصل ہوا ہو۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بہت لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل ہوا ہے۔ مگر تاہم یہ حصول بعض امور میں جو اولیات سے نہیں ہیں۔ تقلید کی ملاوٹ سے خالی نہیں ہے اور یہاں میری غرض اپنے حال کی حکایت ہے نہ اُن لوگوں کا انکار جنکو اس علم کلام سے شفا ہو چکی ہے کیونکہ شفا کے لئے مختلف

ادویہ بہ حسب اختلاف امراض کے ہوتے ہیں اور بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک مریض کو تو اُن سے فائدہ ہو جاتا ہے اور دوسرے مریض کو اُن سے ضرر ہوتا ہے۔

قول ۴۔ فلسفہ کے حاصل کے بیان میں

اور اس بیان میں کہ کون سا امران کا ایسا ہے جس میں ان کی خدمت کرنی چاہیے اور کون سا امران کا ایسا ہے جس میں ان کی مذمت نہ کرنی چاہیے اور کون سا امران کا ایسا ہے جو قائل کو کافر کردیتا ہے اور کون امرایسا ہے جو کافر نہیں کرتا ہے اور کون سا امر ایسا ہے۔ جس میں ان کا متبدع کہا جاتا ہے اور کون سا امر ایسا ہے جس میں ان متبدع نہیں کہا جاتا اور کون سے وہ امور ہیں جن کو انہوں نے اہل حق کی کلام سے اس لیئے چرالیا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنی کلام باطل کی ترویج دیں اور اس بیان میں کہ کس وجہ سے اس حق سے لوگوں کو نفرت ہو جاتی ہے اور اس بیان میں کہ جو حقایق حق خالص کا صراف ہو وہ کیونکر اس سے خلاصی پاسکتا ہے اور ان کی کلام میں سے کھرے اور کھوٹے کو پرکھ سکتا ہے۔

علم کلام سے فارغ ہو کر میں نے علم فلاسفہ کا دیکھنا شروع کیا۔ اور میں نے یقین کر لیا کہ جب تک کوئی شخص کسی علم کو اس کی حد و انتہا تک تحصیل نہ کرے جس کے ذریعے سے اس علم کے اعلیٰ درجہ کے عالم و فاضل سے مساوات اور ہمسری کر سکے تب تک اس علم کے نقص اور عیوب پر بخوبی مطلع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب اُس درجہ سے بڑھ کر اُن حقائق اور نشیب و فراز پر اطلاع پائے جن پر اس علم کا اصلی عالم بھی مطلع نہیں ہو سکتا۔ تب اس کی نکتہ چینی اُس علم پر قابلِ لحاظ اور لایق اعتماد ہو سکتی ہے۔ لیکن علمائے اسلام میں سے ایسا کوئی عالم میری نظر نہیں چڑھا جس نے اپنی ہمت اور توجہ اس کی طرف اس قدر کی ہو اور جو بعض مسائل فلسفہ کے بنظرِ تردید متکلمین کی کتابوں میں درج تھے وہ ایسے گنٹھل اور متفرق اور صریح متناقض اور فاسد تھے جن پر کوئی عامی نادان بھی دھوکا نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ وہ شخص جو دقایق علوم کے سمجھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ پس ان سب امور سے مجھے معلوم ہوا کہ کسی مذہب کی تردید کرنا بدون اس کے کنہ اور ماہیت دریافت کرنے کے ایسا ہے جیسا کہ اندھیرے میں تیر چلانا اس لئے میں نے اس علم فلسفہ کی تحصیل میں نہایت درجہ کی

کوشش کی۔ اور یہ میری تحصیل صرف مطالعہ کتب فلسفہ کے ذریعہ سے بدوں کسی معلّم اور استاد کے تھی اور میرا یہ کام درس تدریس اور تصنیف علوم شرعیہ سے فراغت کے وقت ہوتا تھا۔ حالانکہ تین سو طالبعلم مدرسۂ بغداد میں مجھ سے علوم پڑھتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے صرف مطالعہ ہی کے ذریعہ سے اُن متفرق اور عاریتی وقتوں میں دو سال سے بھی کم عرصہ میں علم فلسفہ کی انتہا درجہ تک مجھے پہنچا دیا پھر میں ہمیشہ اس میں سوچ بچار کرتا رہا۔ اور ایک سال تک اُسی کو الٹ پھیر کرتا تھا اور دہراتا تھا اور اس کے نقص اور مفاسد کی تلاش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں جو داؤ پیچ اور عمدہ اور خراب خیال تھے اُن سب پر مجھے اس قسم کی اطلاع حاصل ہوئی کہ جس میں مجھے کوئی شک باقی نہ رہا۔ اب آپ فلاسفہ کا حال اور ان کے علوم کے نتائج سنئے۔ مجھ کو اس دریافت میں تحقیق ہوا کہ اگرچہ فلاسفہ کئی قسم کے ہیں اور ان کے علوم کئی صنف کے۔ مگر باایں ہمہ کثرت اُن سب پر کفر و الحاد کا داغ اور دھبا لگتا ہے۔ گو اُن کے متقدمین

بہ نسبت متاخرین کے حق سے زیادہ تر بعید تھے۔

فصل ۔ فلاسفہ کے اقسام اور ان کے کفر کے بیان میں

واضح ہو کہ اگرچہ فلاسفہ کے فرقے بہت سے ہیں اور ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ لیکن باایں ہمہ وہ تین قسم پر منقسم ہوتے ہیں۔ دہریہ[1] ۔ طبیعیہ[2] ۔ الٰہیہ[3] ۔

پہلی قسم دہریوں کی

یہ فلاسفہ متقدمین کا ایک فرقہ ہے جو صانع حقیقی اور مدبر عالم اور قادرِ مطلق سے منکر ہے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا بذاتِ خود اسی طرح سے جیسی اب ہے موجود ہے بدون کسی صانع کے ہمیشہ حیوان سے نطفہ اور نطفہ سے حیوان ہوتا رہا ہے اسی طرح ہوتا رہا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا اس لئے دنیا ازلی و ابدی ہے یہ فرقہ زندیقوں کا ہے۔

دوسری قسم طبیعیوں کی

یہ وہ قوم ہے جنہوں نے عالم طبیعت میں بکثرت بحث کی ہے اور حیوانات اور نباتات کے عجائبات اور غرائبات

میں اور نیز علم تشریح اعضائے حیوانات میں بہت غور کیا ہے جس سے اُنہیں اللہ تعالیٰ کے عجائبِ صنع اور بدیع حکمت اس کثرت سے نظر آئیں کہ وہ ایسے قادر حکیم کے اعتراف اور اقرار پر جو ہر ایک امر اور مقصد کے غایات پر مطلع ہووے مجبور ہوئے جو شخص علم تشریح اور عجائب منافع اعضا کا مطالعہ کرتا ہے اس کو اس امر کا علم ضروری حاصل ہوجاتا ہے کہ بنیّت حیوان اور خصوصاً بنیّت انسان کا بانی کمال تدبیر رکھتا ہے اور بڑا مدبّر ہے مگر چونکہ یہ لوگ طبیعت کے حالات میں بہت غوض و غور کرتے ہیں اس لیے ان کو یہ ظاہر ہوا کہ قوام قوائے حیوانی میں اعتدال مزاج کی بڑی تاثیر ہے اور اس سے اُن کو یہ گمان ہوگیا کہ انسان میں جو قوت عاقلہ ہے وہ بھی ان کی مزاج کے تابع ہے اور جب وہ مزاج نہیں رہتا تو قوت عاقلہ بھی جاتی رہتی ہے اور جب وہ جاتی رہتی ہے اور معدوم ہوجاتی ہے تو پھر نہیں آتی۔ کیونکہ عقلاً اعادہ معدوم کا نہیں ہو سکتا۔ اس سے انہوں نے یہ گمان کیا کہ نفس بھی جب مرجائے گا تو پھر عود نہ کرے گا۔ اور اس گمان سے وہ آخرت کے اور دوزخ اور بہشت اور حشر و حساب کے منکر ہوگئے پس انکے

نزدیک نہ تو بندگی کا ثواب ہے اور نہ گناہ کا عذاب۔ اُنکے منہ سے لگام اُتر گئی اور لذات وشہوات میں ایسے غرق ہوئے جیسے مویشی۔ یہ فرقہ بھی زندیقوں کا ہے کیونکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں مگر یوم آخرت سے منکر ہیں۔

تیسری قسم فلاسفہ الہیوں کی

یہ فلاسفہ متاخرین ہیں۔ جیسے سقراط جو افلاطون کا اُستاد تھا اور افلاطون جو ارسطاطالیس یعنی ارسطو کا اُستاد تھا۔ اور اسی ارسطاطالیس ہی نے علم منطق کو لکھا اور علوم کو آراستہ و پیراستہ کیا اور علم کے مادہ کا ایسا خمیر تیار کیا جو اس سے پہلے نہ تھا۔ اور جو علم و مسائل خام تھے اُن کو پختہ کیا اور جو علوم سابق میں تنگ اور مشکل تھے اُن کو واضح کیا۔ فلاسفہ الٰہیون نے عموماً پہلے دونوں فریق فلاسفہ یعنی دہریہ اور طبعیہ کو رد کیا ہے۔ اور ان کے قبائح اس قدر بیان کئے ہیں کہ اب اوروں کو اس میں ضرورت تکلیف اٹھانے کی نہیں رہی اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو مومنین سے ٹال دیا۔ پھر ارسطو نے افلاطون اور سقراط کے اور نیز اس کے متقدمین فلاسفہ الٰہیین کی بخوبی تردید کی۔ مگر ان کے عقائد کفریہ اور بدعات کے رذائل

کا بقیہ اس کبھی نہ گیا۔ جس کے نکالنے کی توفیق اُس کو حاصل نہ ہوئی۔ پس ان کے اور ان کے متبعان متفلسفہ اسلامیین کی جیسے ابن سینا اور فارابی یا اور ان جیسے ہیں تکفیر واجب ہوئی اس وجہ سے کہ علم ارسطا طالیس پر قیام اور اس کی نقل متفلسفہ اسلامیین میں سے اور کسی نے ایسی نہیں کی جیسی ان دونوں نے کی ہے۔ اور اوروں نے ایسا خلط ملط بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا تشویش میں پڑ جاتا ہے اور مطلب اُن کا نہیں سمجھا جاتا۔ اور جب سمجھا نہیں جاتا تو کیا اس کو رد کرے اور کیا قبول۔ اور مجموعۂ اقوال فلسفت ارسطا طالیس کا جو ان دونوں شخصوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے۔ ہمارے نزدیک تین قسموں میں منحصر ہے ایک قسم پر تو تکفیر واجب آتی ہے اور ایک قسم کو بدعت کہا جاتا ہے اور ایک قسم ایسی ہے کہ اس کے انکار کی ضرورت نہیں۔ پس اب ہم اُن کو مفصل بیان کرتے ہیں۔

فصل ۲۔ فلاسفہ کے علموں کے اقسام میں

جس غرض کے لیے ہم علوم کی تلاش کر رہے ہیں اس کے لحاظ سے فلسفہ کے علوم چھ قسم پر منقسم ہیں۔

ریاضی، منطق، طبیعی، الٰہی، سیاست بدن، علم اخلاق۔ علم ریاضی میں علوم مفصلہ ذیل داخل ہیں۔ حساب، ہندسہ، ہیئت عالم۔ ان میں سے کوئی بھی امور دینیہ سے تعلق نہیں رکھتا نہ ازروئے نفی کے نہ ازروئے اثبات کے۔ بلکہ یہ سب امور برہانیہ ہیں۔ جن کے سمجھنے اور سوچنے کے بعد ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان علوم ریاضیہ سے دو آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اول آفت یہ کہ جو شخص ان علوم کو دیکھتا ہے۔ ان کے باریک دقائق اور پختہ اور واضح دلائل سے متعجب ہو جاتا ہے اس لئے فلاسفہ کو وہ اچھا جاننے لگتا ہے۔ اور اس کے دل میں یہ گمان فاسد راسخ ہو جاتا ہے کہ فلاسفہ کے سارے علوم وضوح اور وثاقت برہان میں اُس کے ہی پختہ ہیں۔ جیسا کہ یہ علم ریاضی ہے بعد ازیں اُس کے کان میں اُن کے وہ کفریات اور لغویات پہنچتے ہیں جو امور شرعیہ کے برخلاف ان کی زبان زد ہیں۔ پس محض تقلید سے اُن اقوال کو مان کر کافر ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اگر دین اسلام ہوتا تو فلاسفہ پر کیوں مخفی رہتا ہے۔ باوجودیکہ ان لوگوں نے اس میں بہت تحقیق و تدقیق کی ہے اور پھر وہ یہ سمجھتا ہے

کہ دین سے انکار کرنا بھی اُس کا حق اور درست ہے (نعوذ باللہ منہا) بہت سے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے جو صرف اتنی ہی بات سے گمراہ ہوگئے جن کے پاس سوائے اس کے اور کوئی سند نہیں ہے ایسے لوگوں سے یوں کہنا چاہئے کہ دیکھو جو شخص ایک علم میں کامل مہارت رکھتا ہو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہر ایک علم میں کامل مہارت رکھتا ہو مثلاً جو شخص علم فقہ اور علم کلام میں ماہر ہو ضرور نہیں کہ وہ طبیب حاذق بھی ہو اور جو شخص علم معقول سے ناواقف ہو تو ضرور نہیں کہ علم نحو سے بھی جاہل ہو۔ بلکہ ہر مردے وہر کارے کا معاملہ ہے۔ جو لوگ ایک ہنر میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ لوگ اُسی ہنر کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں دوسرے ہنروں میں جاہل اور احمق ہوتے ہیں اور اس کو جاننا چاہئے کہ ریاضیات میں پہلا کلام اگرچہ برہانیہ ہے مگر آلہیات میں وہ بالکل ایک قیاس اور تخمینہ ہے اور اسکو وہی شخص خوب جانتا ہے۔ جو تجربہ کار ہے اور حقیقت پر غور کرنے والا ہے۔ مگر جب یہ تقریر ایسے شخص سے کی جاوے گی جو محض اُن کی تقلید سے ملحد ہو گیا ہے تو وہ اس کو کبھی نہیں مانے گا۔ بلکہ اور نفسانیت اس میں پیدا ہوجائیگی

اور غلبہ ہوا اور شہوت بطالت اور محبت ضلالت سے اس بات پر مستعد ہوگا کہ جمیع علوم میں فلاسفہ کی تحسین کرے یہ ایک اور بڑی آفت اس پر آئی ۔ اس لئے علوم ریاضیہ پر بہت غور کرنے والے کو روکنا اور ڈانٹنا چاہیئے کیونکہ یہ علوم اگرچہ علم دین سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے لیکن علوم فلسفہ کے مبادی اور آغاز ہیں ۔ اس لئے فلاسفہ کا شر اور شومی اس طالب علم میں بھی سرایت کرجاتی ہے اور ایسے آدمی بہت کم ہیں جو علوم ریاضیہ میں غور کریں اور دین سے الگ نہ ہودیں ۔ اور تقویٰ کی لگام اپنے منہ سے نہ نکالیں ۔

دوسری آفت وہ ہے جو اسلام کے نادان دوست سے پیدا ہوتی ہے ۔ انہوں نے یہ گمان کیا کہ جمیع علوم جو فلاسفہ کی طرف منسوب ہیں اُن سے انکار کرنا نصرت اسلام ہے اور یہ گمان اُن کا یہاں تک بڑھا کہ کسوف اور خسوف کے باب میں جو اُن کے اقوال ہیں اُن سے بھی انکار کردیا اور سمجھا کہ یہ اقوال خلاف شرع ہیں اور جب اس کو ایسے لوگوں نے سنا جو مسائل ریاضیہ کو دلائل اور براہین قاطع سے درست اور صحیح سمجھ چکے تھے اور یقین کر چکے تھے تو اُن کو اُن

دلائل میں تو شک نہ پڑا بلکہ اسلام کی نسبت یہ گمان ہو گیا کہ اسلام کی بنا رجہل اور انکار برہان قاطع پر ہے اس لئے اُن کے دل میں فلسفہ کی محبت بڑھ گئی اور اسلام کی عداوت جم گئی (نعوذ باللہ منہا) بیشک ان لوگوں نے بہت بُرا کیا ہے جن کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ دین اسلام کی نصرت علوم ریاضیہ کے انکار سے ہو سکتی ہے حالانکہ شریعت میں ان علوم کی بابت کوئی تذکرہ نہیں ہے نہ بطور انکار کے نہ بطور اقرار کے اور نہ ان علوم میں اور دینیہ کی بابت کچھ مزاحمت ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے دو نشان ہیں۔ ان کا کسوف اور خسوف کسی کی موت اور زندگی سے نہیں ہوتا۔ جب تم ایسا دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو) ان بیانات میں علم حساب کا انکار نہیں نکلتا۔ جس سے سورج اور چاند کی حرکت اور ان کا اجتماع اور مقابلہ خاص خاص وجہ پر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ منسوب بہ حدیث کہ لکن اللہ اذا تجلّٰی لشیٔ خضع لہٗ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے علم حدیث کی صحیح کتابوں میں پائی نہیں جاتی۔ یہ بیان حکمت

ریاضیہ کا اور اس کی آفات کا تھا۔

منطقیات

اب لیجئے منطقیات ان میں سے بھی کوئی علم دین سے علاقہ نہیں رکھتا نہ بطور اقرار کے نہ بطور انکار کے۔ بلکہ منطق میں تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دلائل کو کس طرح مرتب کرنا چاہئے اور قیاسوں کا پیمانہ اور معیار کیا ہے اور دلیل کے مقدمات کی کیا شرائط ہیں اور کس طرح ان کو مرکب کیا جاتا ہے اور نیز صحیح تعریف کرنے کی کیا شرائط ہیں اور کس طرح اُن کو ترتیب دینا چاہئے اور نیز یہ کہ علم تصور ہے یا تصدیق۔ تصور کو تعریف کے ذریعہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور تصدیق کی معرفت کا طریق دلیل و برہان ہے ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو قابل انکار ہو۔ بلکہ یہ ایسی قسم کی باتیں ہیں جن کا ذکر خود متکلمین علم کلام میں کرتے ہیں اور اہل مباحثہ اپنے دلائل میں پیش کرتے ہیں۔ صرف عبارتوں اور اصطلاحوں کا اور ان کے نتائج اور شاخوں میں نہایت غور کرنے اور عادی ہونے کا فرق ہے۔ منطقیوں کا ایک قول بطور مثال کے پیش کرتا ہوں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر ایک ا۔ ب ہے تو اس صورت میں آپ کو ضرور ماننا پڑے گا کہ بعض ب ا ہے یعنی جب ثابت ہو گا کہ

ہر ایک انسان حیوان ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بعض حیوان انسان ہیں۔ اور اہلِ منطق اپنی اصطلاح میں اس مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہے اس مسئلہ کو امور دینیہ اور مسائلِ اسلامیہ سے کچھ تعلق نہیں کہ اس کو ضرور مانا جائے یا انکار کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان اس سے انکار کرے تو اس سے اہل منطق کے دل میں صرف منکر ہی کی عقل پہ بدظنی نہیں آئے گی بلکہ اس کے دین پر آئے گی جس کو اس منکر نے اس انکار پر منحصر سمجھ رکھا ہے ہاں اگرچہ کہ علم منطق میں فی نفسہ کوئی امر ایسا نہیں ہے جو اس سے انکار کیا جاوے مگر فلاسفہ اہل منطق نے اس میں کئی خرابیاں کر رکھی ہیں (اور داؤ پیچ اپنے رکھے ہوئے ہیں یعنی) پہلے تو خود انہوں نے برہان اور دلیل کے لئے نسبت شرائط قائم کئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک ان سے علم یقینی حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن جب مقاصد دینیہ پر پہنچے تو ان شرائط کا ایفا نہ کیا اور نہایت تساہل سے ان کو اُلٹ گئے۔

اور (دوسرے یہ کہ) انہوں نے اس علم میں اپنی کفریت ملا رکھی ہیں اور انکی اسمیں نقص (ایسے ہے ہیں) جو شخص علم منطق کو پسند کرتا ہے اور اس کو ایک واضح اور مدلل علم سمجھتا ہے وہ اکثر علم الٰہیات کے خیالات کو بھی جو علم منطق میں بطور نقل کے بیان ہوتے ہیں یہی خیال

کرلیتا ہے کہ یہ منطقی براہین اور دلائل سے بخوبی ثابت ہوچکی ہیں اور پیشتر اس سے کہ علوم آلہیہ کی انتہا تک پہونچے اُن کفریات کو مان کر کافر ہوجاتا ہے یہ آفت اُن کے علم منطق میں بھی ہے ؎

طبیعات

علم طبیعیات ایک علم ہے جس میں اجسام عالم سموات اور کواکب کی اور ان کے ماتحت اجسام مفردہ کی جیسے پانی ہوا آگ اور خاک ہیں اور اجسام مرکبہ کی جیسے حیوانات اور نباتات اور معدنیات ہیں۔ بحث کی جاتی ہے۔ اور نیز اُن کے تغیرات اور استحالات اور امتزاجات کے اسباب کا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بحث ایسی ہے جیسے کہ طبیب علم طب میں

ؔ نوٹ:۔ جس علم منطق کی مثالوں میں فلاسفہ کے علم آلہیات کے کفریات نہ ہوں اُس کا پڑھنا کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر کسی مسلمان طالب علم کو ضرورتًا ایسی کتاب علم منطق کی پڑھنی پڑے جس میں فلاسفہ کے آلہیات کے کفریات ہوں تو اس کو اس اسلام کا دکھنا چاہیے اور ان کفریات کو کفر ہی جاننا چاہیے اور اپنے تئیں اُن کے منطق کی آفت سے بچانا چاہیے ۱۲

جسم انسان اور اسکے اعضاء رئیسہ اور اعضاء خادمہ کی بحث کرتا ہے اور اُنکی مزاج اور استحالہ کے اسباب بیان کرتا ہے پس جیسا کہ علم طب کا انکار کرنا دین میں کوئی امر ضروری نہیں ایسے ہی علم طبیعیات کا انکار بھی ضروری نہیں ہے مگر ہاں چند مسائل معینہ جنکا ذکر ہم نے رسالہ تہافت الفلاسفہ میں کیا ہے ایسے ہیں کہ انکی مخالفت کرنی واجب اور لازم ہے اور دیگر مسائل بھی غور کرنے سے اُنہیں کے ذیل میں آجاتے ہیں اُن سب مسائل مخالفہ کی تردید میں اہل اسلام کو اس اصل اصول کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابع ہے اور بذات خود وہ کچھ نہیں کر سکتی ہے بلکہ اپنے خالق کی طرف سے کام میں لگائی گئی ہے[1]۔ اسی طرح سورج اور چاند ستارے اور افلاک اور طبائع سب اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمان ہیں اُن میں کوئی فعل اور تاثیر بذاتہ نہیں ہے[2]

---

[1] نوٹ:۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہر ایک کی طبیعت اور نیچر کو خالق کام میں لگا کر آپ الگ بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا عقیدہ کفر ہے کہ اس سے اس کا تعطل لازم آتا ہے کوئی فعل طبیعت کا کسی وقت بدون مشیت اور ارادۂ خالق کے ظہور میں نہیں آتا۔ ہر فعل میں ہر وقت اُسی کا ارادہ اور مشیت کارکن ہے طبیعت کی طرف نسبت فعل کی مجازاً ہے اور خالق کی طرف حقیقت کہ لا مؤثر فی الوجود الا ذاتہ وقدرتہ وارادتہ ۱۲ منہ [2] جاننا چاہئے کہ سبب اور علت مخلوق ہے علت کو معلول کا خالق سمجھنا کفر ہے پھر تو ایک خالق کی جگہ ہزار خالق ہو جاتے ہیں جن کی اسلام نے جڑ کھود کر پھینکدی ہے اور یہ کہنا کہ خدا انداتی خدا اعلان۔ ہے بڑی حماقت کی بات ہے۔ عقلاً خالق ایک ہی ہو سکتا ہے مخلوق بذاتہ دوسرے کی خالق نہیں ہو سکتی۔ پس معلول کی پیدائش میں علت اور سبب سے قطع نظر کرکے مسبب پر نظر رکھنی چاہئے یہی اہل اسلام کا اصلی عقیدہ ہے۔

تنبیہ:۔ اگر علم طبیعیات کے پڑھنے کے وقت تم عجائبات صنعت الٰہی کو پیش نظر رکھو جو ہر جسم ہر طبیعت سے ظاہر ہے اور اس کی قدرت کاملہ کا مطالعہ کرتے رہو تو یہ علم نہایت ہی اچھا ہے اور پکا مسلمان بنا دیتا ہے برائی اسکی اسی میں ہے کہ تم ایک خالق کو چھوڑ کر (بقیہ ص ۳۶ پر)

علم الٰہیات

اس علم میں فلاسفہ نے بہت بڑی غلطیاں کھائی ہیں جو شرائط برہان کے لئے انہوں نے منطق میں قائم کی تھیں اُن کا ایفا اس میں نہ کر سکے اس واسطے اس علم میں خود ان کا باہمی بہت اختلاف ہے ان میں سے ارسطاطالیس مذاہب اسلامیہ کے کسی نہ کسی مذہب کے قریب رہا ہے جیسا کہ فارابی اور بو علی سینا نے نقل کیا ہے۔ لیکن تمام مسائل جن میں غلطیاں ان سے واقع ہوئی ہیں وہ بیس اصول کی طرف راجع ہیں تین ان میں سے ایسے ہیں جن میں ان کی تکفیر واجب ہے اور سترہ ایسے ہیں جن میں ان کو بدعتی کہنا پڑتا ہے۔ انہیں بیس مسائل کے ابطال کے لئے ہم نے رسالہ تہافت الفلاسفہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵) ہزار ہا خالق مان لو اور آئندہ اسلام سے نکل جاؤ یا اس میں ایک خدشہ نکر ہی عقل ناقص سے کرو کہ اسکی قدرت کاملہ کو قبول کے اعادہ معدوم کا محال سمجھو اور اس گمان فاسد سے آخرت اور دوزخ اور بہشت اور حشر و حساب کے منکر ہو جاؤ۔ جن کی خبر اُس سچے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جو تمہارا ہادی اور نبی ہے اور وہ ایمان جو اس سے پہلے تم کو اس رسول کے سچے ہونے کا تھا نہ رہے۔ نعوذ باللہ منہ ۱۲

تصنیف کیا ہے۔ وہ تین مسائل جن میں فلاسفہ کافر مسلمین کے مخالف چلے ہیں یہ ہیں:۔

۱۔ اجساد قیامت کے دن اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی حشر اجساد نہ ہوگا اور صرف ارواح مجردہ مثاب اور معاقب ہونگی اور یہ عقوبات روحانیہ ہوں گے نہ جسمانیہ روحانیت کے اثبات میں تو گو وہ سچے ہیں کہ روحیں موجود ہیں لیکن جسمانیت کے انکار میں جھوٹے ہیں اور شریعت کے انکار سے وہ کافر ہو گئے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کلیات کو جانتا ہے جزئیات کو نہیں[1] جانتا یہ بھی کفر صریح ہے حق یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے علم سے آسمان و زمین کے اندر ایک ذرہ بھی غائب نہیں۔

۳۔ یہ کہنا کہ عالم قدیم و ازلی ہے۔

---

[1] نوٹ:۔ دیکھئے جن فلاسفہ کو آپ علوم ریاضی منطق طبعی میں بڑا دانا اور بڑا عقلمند سمجھتے تھے جیسے ارسطو وغیرہ ہیں یہاں آکر اُن کی عقل پر کیا پتھر پڑے ہیں کہ خدا کو کلیات کا عالم مانا ہے جزئیات کا عالم نہیں مانا جسکو آج کوئی احمق بھی نہیں کہتا۔ بات یہ ہے کہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو ایک علم میں دانا ہو وہ جمیع علوم میں دانا ہو سب سے بڑی حماقت فلاسفہ نے یہ کی ہے کہ اُس علم کو ورائے طور عقل جزوی ہے اس کا دعوے اپنی عقل جزوی اور جزیزی سے معلوم کرنے کا کیا اور اپنے اپنے وقت کے نبی کی پیروی اس میں نہ کی۔ جن کو عقل کلی عطا کی گئی تھی اور ہدایت خلق کے لئے بھیجا گیا تھا ۱۲

اہلِ اسلام کا کوئی بھی فرقہ ان مسائل کا قائل نہیں اور سوائے ان تین مسائل کے فلاسفہ جو صفات کی نفی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم بالذات ہے اور ایسے علم سے علیم نہیں ہے جو ذات پر زائد ہو اور اسی قسم کے جو اور اقوال اُنکے ہیں وہ سب معتزلہ کے مذہب کے قریب قریب ہیں ایسے مسائل میں معتزلہ کی تکفیر ضروری نہیں۔ ہم نے کتاب موسوم فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں اُس شخص کی رائے کی برائی نہایت وضاحت سے بیان کی ہے جو اپنے مذہب کے ہر ایک مخالف پر فوراً کفر کا فتوےٰ لگا دیتا ہے

علم سیاسیات

اس علم میں فلاسفہ کے سارے اقوال کا مرجع اور ماول ان حکمتوں اور مصلحتوں پر منحصر ہے جو امور دنیویہ سلطانیہ سے متعلق ہیں۔ اور یہ باتیں انہوں نے کتب الٰہی سے لی ہیں جو انبیاء سابقین پر نازل ہوئی ہیں اور ان حکمتوں سے اخذ کی ہیں جو اولیاء سلف پر ظاہر ہوئی ہیں۔

علم اخلاق

علم اخلاق میں اُن کا سارا کلام صفات اور اخلاق نفس اور انکے اجناس

اور انواع اور کیفیت معالجہ اور مجاہدہ نفس پر منحصر ہے یہ علم بھی
فلاسفہ نے اقوالِ صوفیہ سے لیا ہے جو موصوف لعشق الٰہی ہیں اور
یادِ خدا میں مستغرق اور مخالفت نہیں وہوا میں مستعد اور
سرگرم ہیں اور دنیا سے منہ پھیر کر طریق الی اللہ پر چلتے ہیں
صوفیہ کرام قدس اللہ اسرارہم کو اپنے مجاہدات میں نفس کے
اخلاق اور عیوب و آفات جو کچھ منکشف اور واقف ہوئے
انہوں نے ان کی تصریح فرمائی ہے اس میں سے فلاسفہ نے کچھ
لے کر اپنے کلام میں ملا لیا ہے تاکہ اُس کلام پاکیزہ موثر کے ذریعہ
سے ان کی کلام کی بھی ترویج ہو اور یہ بات واضح رہے
کہ فلاسفہ سلف کے زمانے میں بھی صوفیہ کرام موجود تھے بلکہ یہ
لوگ صوفیہ کرام عاشقان اللہ ہر ایک زمانے میں ہوتے ہوئے
ہیں، دنیا اُن سے کبھی خالی نہیں رہ سکتی کہ یہی زمین کی
میخیں ہیں اور انہیں کی برکت سے رحمتِ الٰہی اہل
زمین پر نازل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں بزرگوں کے
طفیل تم پر مینہ برسایا جاتا ہے اور انہیں کے وسیلہ جمیلہ سے تمہیں
رزق دیا جاتا ہے۔ انہیں بزرگان دین میں سے اصحاب کہف
گزشتہ زمانوں میں تھے۔ چنانچہ ان کا قصہ قرآن مجید میں موجود
ہے پس جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء صوفیہ کرام کے کلام کو فلاسفہ نے

اپنی کتابوں میں اپنی کلام باطل میں ملا لیا تو اس سے دو آفتیں پیدا ہو گئیں ایک آفت تو ان کتابوں کے قائل اور معترف کے حق میں ہے دوسری آفت اُن کے منکر اور تردید کرنے والے کے لئے۔ مگر تردید کنندہ کے حق میں یہ آفت بہت بھاری ہے وہ یہ ہے کہ بعض ضعیف العقل مسلمان لوگ جب انبیاء علیہ السلام اور صوفیہ کرام کے بعض مسائل کو فلاسفہ کی کتابوں میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں اور ان کے باطل اور نادرست کلام میں ملا جلا پاتے ہیں تو وہ سب کو یکساں کلام سمجھ کر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ اُس کو باطل ترک کرنا چاہیئے اور اس کا ذکر کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جو کوئی اس کا تذکرہ کرے اُس کو بھی بُرا کہنا چاہیئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے پہل انہوں نے صرف فلاسفہ ہی سے اس مضمون کو سنا ہے اور صرف انہیں کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ اس جہت سے اُن کی ضعیف عقل یہی سمجھتی ہے کہ یہ بالکل باطل ہے کہ قایل اس کا مبطل ہے ان کا حال ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص نصرانی سے سنے لا الہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ تو وہ اس کو برا سمجھے اور نہ مانے اور کہے کہ یہ عیسائیوں کا کلمہ ہے اور دیر تک توقف نہ کرے اور پھر نہ سوچے کہ نصرانی کو جو کافر کہا جاتا ہے اس کلمہ کی جہت سے نہیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ پس

جب صرف انکار نبوت حضرت رسالت پناہی کی وجہ سے انکو کافر کہا جاتا ہے تو دیگر امور میں جو فی نفسہ حق ہیں۔ اور کفر نہیں ہیں اُن کی مخالفت نہ کرنی چاہیئے۔ یہ ضعیف عقلوں کی عادت ہے کہ حق کو آدمیوں کی جہت سے پہچانتے ہیں نہ کہ آدمیوں کو حق کی وجہ سے اور عقلمند آدمی حضرت سید العقلا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتا ہے کہ آپنے فرمایا ہے کہ (حق اور راستی آدمیوں کے ذریعہ سے نہیں پہچانی جاتی پہلے تو حق کو پہچان پھر اہل حق کو بھی پہچان لے گا) پس عاقل پہلے حق کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ پھر نفس قول کی طرف نظر کرتا ہے اگر وہ حق ہوتا ہے تو اس کو مان لیتا ہے خواہ اس کا قائل مبطل ہو (یعنی اہل باطل سے ہو) یا محق ہو (یعنی اہل حق سے ہو) بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاقل آدمی اہل ضلال یعنی گمراہ اور بدراہ لوگوں کی کلام سے بھی حق کو لے لیتا ہے۔ اس وجہ سے کہ سونا کبھی راکھ میں سے بھی مل جاتا ہے اور اگر ایک صراف کامل کسی قلب ساز کی تھیلی میں زر خالص نکالنے کی غرض سے ہاتھ ڈال دیوے تو اُس کو کچھ ملامت نہیں کرسکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی چشم بصیرت سے زر خالص کو کھوٹے اور خراب مال سے مال نکال لیتا ہے ہاں مگر قلب ساز کے ساتھ دیہاتی آدمی لین دین رکھے تو قابل ملامت ہے کیونکہ وہ دھوکا کھا جائے گا۔ اس کو کھرے کھوٹے کی تمیز

نہیں ایسے ہی سمندر کے کنارے سے نادان لڑکے کو روکنا
چاہیئے نہ کامل پیراک کو۔ اور سانپ کے چھونے سے لڑکے کو
روکنا چاہیئے نہ کامل فسوں گر کو۔ اور جن بعض نادانوں نے
خام خیالی سے اپنے آپ کو کامل عقلمند اور حاذق سمجھ لیا ہے
اور یہ خیال کر لیا کہ ہے کہ ہم حق کو باطل سے اور ہدایت کو
ضلالت سے بخوبی تمیز کر سکتے ہیں حالانکہ وہ ایسے نہیں ہیں تو
ضرور ہے کہ جس طرح ہو سکے اُن کو اہل ضلال کی کتابوں کے
مطالعہ سے روکا جائے اس لئے کہ یہ لوگ اگرچہ اس آفت یعنی آفت رد سے
سالم رہیں مگر دوسری آفت یعنی آفت قبول سے جس کا ذکر ہم آگے
کریں گے سلامت نہیں رہیں گے اور اس میں پھنس جائیں گے
اور خراب ہو جائیں گے اور میری تصانیف میں جو کلمات اسرار علوم
دین کے لکھے گئے اور ان پر بلا لحاظ حق و باطل کے بعض
لوگوں نے اعتراض کئے تو وہ بھی ایسے ہی لوگ تھے جن کی
طبیعت علم دین میں ہنوز پوری اور مستحکم جمی ہوئی نہ تھی
اور مذہب کے اعلیٰ درجے کے نتیجے اور اغراض ان کی چشم
بصیرت پر منکشف نہ ہوئے تھے (یعنی اسرار علوم دین کو
نہیں جانتے تھے۔ اور غایاتِ مذاہب سے واقف نہ تھے)
انہوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ یہ کلمات بھی فلسفیت کے
ہیں اور خواطر کے پیدا کرنے والے ہیں اور یہ ان کی غلطی تھی

کیونکہ ان میں بہت سی باتیں وہ ہیں جو کتب شرعیہ اور کتب صوفیہ کی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کا توارد ہو گیا ہو۔ جیسے کبھی ایک نقشِ پا پر دوسرا نقشِ پا منطبق ہو جاتا ہے اور بالفرض اگر وہ عمدہ باتیں صرف فلاسفہ ہی کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں تو بھی ان سے انکار کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ جو کلام کہ فی نفسہ معقول ہو اور برہان سے مؤید ہو اور مخالف کتاب اور سنّت کے نہ ہو تو اس سے بھی انکار کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اسی طرح انکار کا دروازہ کھولدیں۔ اور ہم یہ طریق اختیار کریں کہ جو امر حق کسی اہل باطل کے دل میں گزرے اس کو بھی قابل ترک سمجھیں تو اس صورت میں بہت سے کلمات حق اور سچی باتیں ہم سے چھوٹ جائیں گی بلکہ بہت سی آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حکایات سلف اور کلمات حکماء اور صوفیہ کرام رح کی ہم کو چھوڑنی پڑیں گی جن کو صاحب کتاب اخوان الصفا نے بطور شہادت کے اس غرض سے پیش کیا ہے کہ احمقوں کے دل اُن کے ذریعہ سے فلاسفہ کے خراب اور باطل مضامین کی طرف مائل کرے اور نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اہل باطل بہت سے امور حقہ اور کلمات صدق آیات کو ہمارے ہاتھ سے چھین لیں گے۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے بہت سے کلمات صدق سمات کو اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے۔ کم سے کم عالم کو ایسا ہونا

چاہیئے کہ جاہل عامی سے متمیز اور جدا رہے۔ اگر شہد لطیف مججمہ
حجام میں پایا جاوے تو اس کو نظر کراہیت اور نفرت سے نہیں
دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ مججمہ حجام کا شہد کی ذات
کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ اور ایسے شہد سے جو کسی عامی کی طبع نفرت
کرتی ہے اُس کی بنا جہل عامی پر ہے۔ جو یہ جانتا ہے
کہ مججمہ حجام کا گندہ خون لینے کے لئے بنایا گیا ہے اور اسمیں
جو خون ہے وہ گندہ ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ خون تو اپنی کسی
صفت سے جو اس کی ذات میں ہے خراب اور گندہ ہے نہ
مججمہ میں ہونے کی وجہ سے اور جب وہ صفت اس شہد میں
نہیں ہے تو وہ گندہ نہیں۔ اور اس برتن مججمہ میں ہونے سے
یہ خراب صفت اس میں پیدا نہیں ہوجاتی اور اس کو گندہ نہیں
کہنا چاہیئے یہ ایک وہم باطل ہے جو اکثر خلق پر غالب ہے
کہ جہاں کسی بات کو کسی ایسے آدمی کی طرف منسوب کیا جس پہ
اُن کا نیک اعتقاد ہے تو انکو (جھٹ پٹ) قبول کرتے ہیں خواہ
وہ باطل اور ناروا ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب اسے کسی ایسے
شخص کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس سے انکو بد اعتقادی
ہے تو فوراً اس کو نامنظور کرتے ہیں خواہ حق اور درست ہی
کیوں نہ ہو۔ عموماً لوگ حق کو آدمیوں سے پہچانتے ہیں نہ آدمیونکو
حق سے۔ یہی نہایت درجہ کی گمراہی ہے۔ یہ آفت رد ہے۔

دوسری آفت۔ آفت قبول ہے جو شخص اُن کی کتابوں اخوان الصفا وغیرہ کا مطالعہ کرے گا، اور ان میں اُن احکام نبوت اور کلمات صوفیہ کرام رح کو دیکھے گا جو انہوں نے اُن میں ملائے ہوئے ہیں تو اکثر وہ ان کو پسند کرے گا اور قبول کرے گا اور ان کی نسبت نیک اعتقاد رکھیگا اور فوراً ان کے بد خیالات کو جو آیات اور حدیث میں ملے ہوئے ہیں، بہ سبب اس حسن اعتقاد کے جو ان آیات اور حدیث کی نسبت اسکو ہے قبول کرے گا اور ان خیالات کی تحسین کرے گا۔ یہ ایک قسم کی کشش (اور سرک پھانسی) ہوگی جو آہستہ آہستہ باطل اور ضلالت کی طرف کھینچے گی۔ پس جب کسی کو اس آفت میں گرفتار دیکھا جائے تو اُس کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا اور جھڑکنا چاہئے تاکہ وہ زیادہ خطرہ اور خرابی میں نہ پڑجاوے۔ جیسے دریا کے پھسلنے کنارے پر جانے سے اُس لڑکے کو روکنا اور بچانا واجب ہے جو اچھی طرح تیرنا نہیں جانتا۔ ایسے ہی عام مسلمانوں کو ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا اور بچانا واجب ہے اور جیسے بچے کو سانپ کے چھونے سے روکنا ضرور ہے ایسے ہی [illegible] کو ان کلمات مختلط باطلہ فلاسفہ کے سننے سے روکنا واجب ہے۔ اور جیسے اُس گر پر واجب ہے [illegible] چھوٹے بچے کے [illegible] سانپ [illegible] چھوڑ [illegible]

اوراس کا بچہ اپنے تئیں ویسا ہی خیال کر کے سانپ کو نہ پکڑ لے بلکہ اس کے سامنے سانپ سے ڈرتا رہے اور اسکو ڈراتا رہے ایسا ہی عالم راسخ کو کرنا چاہیئے (کہ کلام باطل فلاسفہ کے دیکھنے اور سننے سے عامی کو روکے) اور جیسے کہ افسون گر کامل سانپ پکڑنے کے وقت تریاق اور زہر کو تمیز کر کے تریاق اس میں سے نکال لیتا ہے اور زہر پھینک دیتا ہے اور وقت حاجت کے خواہشمندوں کو تریاق کے دینے میں دریغ نہیں کرتا اور جیسے صراف کامل کھرے کھوٹے کے پرکھنے والا قلب ساز کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر زر خالص اور کھرے کو نکال لیتا ہے اور کھوٹے اور ردی کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور پھر اس کھرے کو خواہشمندوں کے دینے میں دریغ نہیں کرتا ایسا ہی عالم کو کرنا چاہیئے اور جب کوئی خواہشمند تریاق تریاق سے اس خیال سے نفرت کرے کہ وہ سانپ سے نکالا گیا ہے جس میں زہر ہوتا ہے یا کوئی فقیر خستہ حال جو خواستگار مال ہو اس خیال سے سونا لینے سے انکار کرے کہ وہ قلب ساز کی تھیلی میں سے نکالا گیا ہے تو اسکو سمجھانا اور متنبہ کرنا چاہیئے کہ وہ نفرت اور انکار اسکا جہل محض ہے اور اس فائدہ سے جو اس کا مطلوب ہے محروم رہنے کا باعث ہے اور اس امر کو اس کو بہت دفعہ اور صراحت سے سمجھانا اور جتلانا چاہیئے کہ جیسے کھرے کا

کھوٹے کے پاس ہونا کھرے کو کھوٹا نہیں بنا دیتا اور کھوٹے کا کھرے کے پاس ہونا کھوٹے کو کھرا نہیں بنا دیتا۔ یہ ہی باطل کا حق کے جوار میں ہونا اس کو حق نہیں کر دیتا۔ اور نہ حق کا باطل کے پڑوس میں ہونا حق کو باطل بنا سکتا ہے۔ یہ سب باتیں جب ہم نے بیان کیں فلسفیت کی بلائیں اور آفتیں تھیں۔

قول ۵۔ مذہب تعلیمین اور اسکی خرابی کے بیان میں

جب میں علم فلاسفہ کی تحصیل اور تفہیم و تردید سے فارغ ہو چکا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی میری اصل غرض ہے اور مطلب کے لئے کافی نہیں ہے اور (نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ) عقل سب مطالب پر حاوی اور سب مقاصد کا احاطہ کرنے والی نہیں ہے اور تمام مشکلات اور پیچیدہ باتیں اس سے حل نہیں ہو سکتی ہیں اس سے پیشتر ایک مذہب تعلیمین کا پیدا ہوا تھا۔ اور خلقت میں مشہور تھا کہ یہ لوگ امام معصوم قایم بالحق سے حقایق امور کی معرفت حاصل کرتے ہیں، مجھے بھی شک ہوا کہ ان کی بات چیت سنوں اور ان کی کتابوں میں جو کچھ ہے اسپر اطلاع پاؤں۔ اسی اثناء میں اتفاقاً حضرت بادشاہ خلیفۂ وقت کا حکم میرے نام پہنچا کہ میں تعلیمین کے مذہب پر رسالہ لکھوں جس سے ان کے مذہب کی اصلیت اور

حقیقت کھل جائے۔ اس حکم کو میں ٹال نہ سکا اور یہ ایک خارجی باعث اس اصلی باعث کا یعنی شوق دلی کا ضمیمہ ہو گیا۔ پس میں ان کی کتابیں تلاش کرنے لگا اور ان کے مقالات اور تقریریں کو جمع کرنے لگا۔ میں نے اُن کے بعضے نئے کلمات خاطرنا جو اُن کے بزرگان سلف کے نہ تھے۔ سنے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کلمات کو جمع کر کے بخوبی مرتب کیا۔ اور اُن کا پورا جواب لکھا۔ حتیٰ کہ جب میں اُن کے کلام کو حسب قاعدہ اہل تحقیق کے ترتیب دے رہا تھا۔ اور ان کے سوالات کو جواب دینے کی غرض سے درست کر کے حسب موقع جما رہا تھا۔ تو بعض اہل حق نے میرے ان شبہات کی برجستہ اور پُر زور تقریروں کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو تم اہل تعلیم کے لئے خود کوشش اور مدد کر رہے ہو کیونکہ اگر تم اس طرح کی سعی و کوشش نہ کر سکتے تھے۔ ان بزرگوں کا یہ اعتراض ایک طرح سے بجا تھا کیونکہ جب حارث محاسبی رح بھی اپنی کتاب معتزلہ کی تردید میں لکھ رہے تھے۔ تو امام احمد رح بن حنبل نے (اس پر رہی) اعتراض کیا تھا۔ حضرت حارث رح نے جواب دیا۔ بدعتیوں کی تردید فرض ہے امام احمد رح نے فرمایا کہ ہاں بیشک۔ مگر تو نے پہلے اُن کے اعتراضات بیان کیا پھر ان کے جواب دیے ہیں

تجھے کس طرح یقین ہے کہ جو شبہات کو دیکھے گا وہ جواب کو
بھی ضرور دیکھ لے گا۔ یا جواب کو دیکھ کر اس کی باریکیاں ضرور سمجھ
لیگا۔ امام احمد حنبل رح کا یہ اعتراض اُس شبہ کی بابت درست
ہے جو مشتہر اور زبان زد معلوم نہوا ہو۔ لیکن جب وہ مشتہر
ہوجاوے تو اُس کا جواب دینا ضروری ہے اور جواب بدون
نقل سوال کے دیا نہیں جا سکتا۔ ہاں اتنا چاہیئے کہ مخالفوں
کے شبہ بیان کرنے میں اُن سے زیادہ تکلف نہ کیا جاوے
اور نیز جو شبہ انہوں نے ذکر نہیں کیا اُس کو درج نہ کیا جاوے
میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور جو شبہات کہ میں نے
اپنے ایک دوست کی زبانی سنے جو پہلے تعلیمین کے فرقہ میں تھا
اور بعدۂ میرے پاس اُن کے شبہات بیان کیا کرتا تھا اور بعض
شبہوں کی بابت اُن سے مضحکہ اور استہزا نقل کیا کرتا تھا اور کہتا
تھا کہ وہ بعض تردید کرنے والوں کے جوابات پر ہنستے ہیں اور
کہتے ہیں کہ وہ ہمارے شبہ یعنی اعتراض کو نہیں سمجھے۔ بعدش
اس اعتراض کی اصل تقریر نقل کیا کرتا تھا اور میں نے بیان کی کیونکہ
میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ میری بابت بھی وہ یہی کہیں کہ اصل مطلب
ہمارا نہیں سمجھا۔ اس لئے میں نے اول ان کے سب دلائل شبہات بیان کئے
کہ غفلت کا اعتراض اٹھ جائے۔ اور ان کے شبہات کی تقریر بہت
خوبی سے کی۔ تاکہ نہ سمجھنے کا دھبہ نہ رہے۔ اور پھر ان کے جواب دیئے

یعنی میں نے ان کے شبہات کو حد درجہ تک وضاحت اور درستی سے بیان کیا۔ اور بعدش نہایت زور کی دلائل سے اُن کی خرابی اور بطلان کو ثابت کیا کہ اِن کے اقوال بے سود اور لاحاصل ہیں اگر اسلام کے نادان دوستوں کی سور معرفت اسلام نہ ہوتی اور ناکمل جواب ان کے مقابلہ میں پیش نہ کرتے تو اُن کی بدعت باوجودیکہ کمزور تھی اس درجہ کو نہ پہونچتی۔ لیکن انہوں نے شدت تعصب سے اس نزاع کو یہاں تک بڑھایا کہ اُن کی ہر ایک بات کا مقابلہ کیا۔ اگر انہوں نے کہا کہ تعلیم اور معلم کی حاجت ہے تو انہوں نے ثابت کرنا چاہا کہ کوئی حاجت نہیں۔ اگر انہوں نے بیان کیا کہ ہر ایک معلم تعلیم حقیقی کے لائق نہیں بلکہ ایسی تعلیم کے لئے معلم معصوم درکار ہے تو انہوں نے وہی درکار کہا کہ معصوم کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر آخر تعلیمین کے دلائل ضرور تعلیم و تعلم میں قوی ثابت ہوئے۔ اور ان کے جواب ضعیف۔ تو بعض لوگ ان کے دھوکے اور فریب میں آگئے اور ان کے خیال میں بیٹھ گیا کہ تعلیمین کا مذہب قوی ہے اور ان کے مخالفین کا بودا اور ضعیف۔ لیکن یہ نہ سمجھئے کہ یہ تو مذہب حق کے مددگار اور موید کی نادانی اور اپنے مذہب کی عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ تردید کا اچھا طریق یہ تھا کہ معلم کی ضرورت کا اقرار کیا جانا اور معلم کے معصوم ہونے کی

ضرورت بھی تسلیم کی جاتی۔ لیکن اُن کے جواب میں یوں کہا جاتا کہ ہمارے معلم معصوم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر وہ کہتے کہ وہ تو وصال پاچکے تو ہم کہتے کہ اسی طرح تمہارا امام بھی غائب اور غیر حاضر ہے اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے معلم نے بہت سے دعوت کرنیوالے اور اللہ کے دین حق کی طرف بلانے والے تعلیم کرکے اطراف عالم میں متفرق اور منتشر کردیئے ہیں اور ان سے کہدیا ہے کہ جب مسئلہ میں تمہارا اختلاف ہو یا مشکل پیش آوے تو تم واپس آکر مجھ سے پوچھ لو میں تمہارا منتظر ہوں تو ہم بھی کہیں گے کہ ہمارے معلم برحق نے بھی دعوت الی الحق کرنے والوں کو پڑھا سکھا کر اطراف و اکناف میں پھیلا دیا ہے اور کامل کردیا ہے۔ جس کے باب میں یہ آیت ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یعنی میں نے آج تمہارے دین کی تعلیم میں ظاہری بعد ہوجائے تو کچھ مُضر نہیں۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ معلم کا غائب ہونا مضر نہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض اُن کا ہم سے کہ جو مسائل تم نے اپنے معلم سے بہ تصریح نہیں سنے۔ اور بے شک در حقیقت بہت سے امور بہ تصریح نہیں سنے۔ اُن کی بابت تم کیا کرتے ہو اگر اپنی رائے سے اجتہاد کرتے ہو تو اسمیں غلطی کا گمان ہے

درجواب اس کے ہم کہیں گے کہ ہم ایسے حال میں وہی کرینگے جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ جب ان کو ہمارے حقیقی معلم حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک یمن کو بھیجا کہ جن امور میں صریح حکم ان کے پاس تھا اُن میں تو اس کی تعمیل کی اور جن معاملات میں صرف کم نہ تھا اُن میں اپنے اظہار پر عمل کیا۔ بلکہ آپ کے اہل دعوت بھی جب اپنے امام سے جدا ہو کر دور دراز ملکوں میں جاتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں اس لئے کہ صریح حکم تو محدود ہوتے ہیں۔ اور معاملات غیر محدود اور نہایت دور دست ملکوں سے امام کے شہر میں واپس آکر اتنی جلدی صریح حکم حاصل کرنا غیر ممکن ہے۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے واپس آنے اور جاتے تک فتویٰ پوچھنے والا ہو جائے اور واپس آنے کا کچھ فائدہ نہ ہو۔ اگر کسی شخص کو قبلہ میں شک پڑجائے تو وہ اگر امام کے شہر کی طرف روانہ ہو تو بے شک اس کی نماز کا وقت جاتا رہے گا اُس کے لئے سوائے اس کے اور طریق کوئی نہیں کہ اپنے اجتہاد اور رائے سے نماز پڑھے۔ اس کی نماز جائز ہوگی خواہ غیر سمت قبلہ کیوں نہ پڑھی گئی ہو۔ کیونکہ پڑھنا امر ضروری تھا۔ اگر اپنی رائے سے نہ پڑھتا تو کیا کرتا۔ اور حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جو اجتہاد میں خطا کرے اسے ایک

ثواب ہے اور جو درست اجتہاد کرے اُس کو دو ثواب تو ہم کہیں گے کہ حضرتِ من اسی طرح آپ تمام اجتہادیات کا حال سمجھئے۔ اسی طرح کسی کو زکوٰۃ کا مال فقیر کو دینا ہے۔ اس نے اپنی رائے سے ایک شخص کو فقیر سمجھ کر مال دیا۔ حالانکہ وہ درحقیقت غنی تھا۔ تو اس صورت میں اسکو مواخذہ نہ ہوگا گو اس نے اپنے اس اجتہاد میں کہ غنی کو فقیر سمجھا خطا کی۔ کیونکہ اس نے اپنے ظن کے مطابق عمل کیا۔ اس پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ مخالف کا ظن اس کے برخلاف ہے پس کیا وجہ کہ اس کو اس پر ترجیح دی جائے۔ ہم جواب دیں گے کہ ایسی صورت میں اپنے ظن پر عمل درآمد کرنے کا حکم ہے جیسا کہ قبلہ کی بابت خواہ دوسرے کا ظن اس کے برخلاف ہو اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مقلدین تو اپنی رائے کے پیچھے نہیں چلے کوئی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتا ہے کوئی امام شافعیؒ کی وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہیں گے کہ مثلاً بحالت شبہ سمت قبلہ کے پہچانتے میں جب ایک شخص دو آدمیوں کی رائے پوچھے۔ مگر اُن دونوں میں اختلاف رائے ہو تو فرمائیے۔ اب ● بجز اس کے اور کیا کر سکتا ہے کہ اپنی رائے[1] اور عقل سے یہ سوچے کہ ان دونوں سے قبلہ کی

---

[1] نوٹ: یہ ایک تمثیل ہے نہ بیان کہ جب اماموں میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اپنی رائے کا دخل اس میں دے جو مسئلہ اپنی رائے میں اچھا سمجھے اس پر عمل کرے ایک مسئلہ میں اپنی رائے سے امام اعظمؒ کو ترجیح دے اور دوسرے میں امام شافعی کو تیسرے میں امام حنبلؒ کو فوقیت دے اور چوتھے میں امام مالکؒ کو۔ ایسے خیال کی تردید خود آگے بیان سے ہوتی ہے۔ فافہم و تامل

شناخت میں کون افضل ہے۔ جو افضل ہو اُسی کا اتباع کرے اسی طرح مذاہب میں اجتہاد کا اتباع ہے۔ یعنی خلق کو اجتہاد میں انبیاء و آیمہ مجتہدین کی ضرورت ہے۔ باوصف اس علم کے کہ کبھی مجتہدین سے اجتہاد میں خطا اور غلطی بھی ہو جاتی ہے بلکہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ظاہر کے حال پر حکم دیتا ہوں۔ اور اسرار کو اللہ کے علم پہ چھوڑتا ہوں یعنی میں ظن غالب پر حکم کرتا ہوں۔ اور جو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کبھی اس میں خطا اور غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ جب ایسے اجتہادوں میں خطا اور غلطی سے انبیار بھی محفوظ نہیں ہیں تو دوسروں سے کب اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ خطا اور غلطی سے ایسے اجتہاد میں محفوظ اور مامون رہیں گے۔ یہاں پہ اہل تعلیم دو سوال پیش کرتے ہیں۔

اوّل:۔ یہ کہ آپ کا یہ جملہ اجتہادات میں تو چل جاتا ہے۔ لیکن قواعد عقائد میں مخطی اور خطا کار مجتہد معذور اور قابل معافی نہیں ہے۔ پس اختلاف کی صورت میں جو عقائد میں ہو آپ کیا کریں گے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ عقائد کے قواعد اور اصول قرآن مجید اور حدیث شریف میں موجود ہیں۔ اور ان کے علاوہ جس قدر تفصیل اور تشریح امور متنازعہ فیہ میں درکار ہے۔ قسطاس یعنی میزان مستقیم کے ساتھ

وزن کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور حق اور باطل میں تمیز ہو سکتا ہے اور اس میزان کے باٹ اور وزن وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور وہ پانچ ہیں جنکو میں نے رسالہ قسطاس المستقیم میں بیان کیا ہے۔ اس پر اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ ممکن ہے کہ آپ کا فریق مخالف، آپ کی اس میزان اور ترازو کو نہ مانے۔ میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ وہ ایسا ترازو ہے کہ ممکن نہیں کہ اس کو سمجھ سوچ کر کوئی انکار کرے۔ اول فرقہ اہل تعلیم تو کسی طرح اُس کے ماننے میں انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ میزان اور ترازو قرآن مجید سے لی گئی ہے اور اُسی سے میں نے اس کو نکالا ہے اور اہل منطق بھی اسمیں مخالفت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان کی منطقی شرائط کے مطابق ہے اور نیز متکلمین بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ جس طرح ثبوت مطلوب کے لئے وہ دلائل پیش کیا کرتے ہیں اور علم کلام میں حق کو ثابت کیا کرتے ہیں اُسی طرح کی وہ میزان ہے۔ اس پر اگر کوئی قائل کہے کہ جب آپنے ایسی میزان قائم کر لی ہے تو پھر خلق میں سے خلاف اور تفرقہ باہمی کو آپ نے کیوں نہیں رفع کر دیا۔ اس کے جواب میں میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اگر لوگ میری بات کو سن کر سنتے تو میں اُن میں سے اس خلاف کو اٹھا دیتا

میں نے قسطاس المستقیم میں اس خلاف کے رفع کرنے کا طریق
بیان کیا ہے۔ آپ اگر اس کو سوچیں گے اور غور کریں گے تو آپ
پر واضح ہو جائے گا کہ وہ حق ہے اور اگر لوگ اسکو کان لگاکر
سنیں تو وہ میزان اور ترازو ایسی ہے کہ خلاف باہمی کو اٹھا
دیتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے لوگ اس کو اچھی طرح سنتے نہیں
ہاں ایک فریق نے اسکو کان لگاکر سنا تھا اس کا خلاف اور
تفرقہ اٹھ گیا اور آپ نے کبھی تو یہ چاہا تھا کہ باوجود لوگوں کے
نہ سننے کے خلاف کو ان میں سے رفع کر دیں۔ پھر اب تک آپ
کیوں اسکو رفع نہ کر سکے۔ آپ تو کیا حضرت علی کرم اللہ وجہ
بھی جو اماموں کے سر اور سردار ہیں وہ اس کو رفع نہ کر سکے اور
یہ دعوےٰ آپ کا کہ امام یہ قدرت رکھتا ہے کہ لوگوں کو اپنے
کلام سننے پر جبراً مجبور کرے تو پھر کیوں اب تک انہیں اس
امر پر مجبور نہیں کیا۔ اور کس دن کے لئے یہ توقف روا
رکھا ہے۔ بلکہ یہ بات ہے کہ جتنا آپ کے بنا وٹی امام
نے اس بات کا دعویٰ کیا اتنا ہی خلاف لوگوں میں بڑھتا
گیا اور مخالف زیادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس خلاف سے ایک
قسم کے سخت ترین ضرر اور نقصان کا خوف پیدا ہو گیا کہ مبادا عام
خونریزی ہو اور ملک کی بربادی اور بچوں کا یتیم ہونا اور راستوں
میں رہزنی اور مال کا غارت ہونا وقوع میں آئے سو آپ نے

بھی امام کی تعلیم سے اس قسم کا خلاف رفع نہ کیا اور خلاف رفع کرنا تو درکنار۔ وہ اندیشے آپ کی برکت سے وقوع میں آئے جو پیشتر کسی خانہ میں پیدا نہ ہوئے تھے۔

دوسرا سوال:۔ اُن کا ہم سے یہ ہے کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خلق سے خلافِ باہمی کو رفع کردوں گا۔ لیکن جو شخص مذاہب متعارضہ اور اختلافات مقابلہ میں حیران ہے اُس پہ لازم نہیں کہ وہ صرف آپ ہی کے پاس حق سننے کے لئے آئے۔ اور آپ کے مخالف کے پاس نہ جائے اور آپ کے بہت فریق مخالف ہیں اُن میں اور آپ میں اس کے نزدیک کچھ فرق نہیں۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہی سوال آپ پہ لوٹتا ہے کیونکہ جب کہ آپ نے ایک متحیر ڈانواں ڈول کو ہدایت کے لئے اپنی طرف بلایا۔ تو وہ متحیر اسی طرح آپ کو بھی کہہ سکتا ہے کہ کیا آپ بہ نسبت اپنے فریق مخالف کے کہ اکثر اہلِ علم آپ کے خلاف ہیں۔ کچھ زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ میرے امام کے معصوم ہونے پر نص صریح واقع ہے لیکن وہ اسکو تسلیم نہ کرے گا۔ کیونکہ اس نے خود اُس نص کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اور لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے

کہ آپ جھوٹے اور اختراع کرنے والے ہیں۔ بعد ازیں میں کہتا ہوں کہ فرض کیجئے کہ اس نے آپ کی نص کو تو مان لیا ہے مگر جب وہ اصل نبوت میں ہی متحیر اور ڈانواں ڈول ہے تو کیا آپ کے امام معصوم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے معجزے سے حجت پیش کریں گے اور یوں کہیں گے کہ میری صداقت کی یہ دلیل ہے کہ تیرے باپ کو زندہ کرسکتا ہوں۔ اور زندہ بھی کردیا اور اُس زندہ شدہ نے بھی اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ سچا ہے لیکن وہ کیونکر اس کو سچا بالضرور مان سکتا ہے۔ جب کہ ایسے قسم کے معجزے سے تمام لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سچا پیغمبر نہ مانا۔ بلکہ اس پر بھی بہت سے مشکل سوالات ہیں جو سوائے دقیق بحث عقلی کے دفع نہیں ہو سکتے۔ اور عقلی بحث پر آپ کا اعتقاد نہیں اور معجزے کی صداقت کو کوئی ثابت نہیں کرسکتا۔ جب تک سحر اور معجزہ میں تمیز اور فرق ثابت کرکے نہ دکھلایا جاوے۔ اور وہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جاوے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو گمراہ نہیں کرتا۔ اور یہ بات مشہور ہے کہ اس سوال کا جواب مشکل ہے۔ پس یہ امور کس طرح دریافت ہو سکیں جس حالت میں کہ آپ کا امام بہ نسبت مخالف کے زیادہ تر مستحق اطاعت نہیں۔ اس صورت میں ضرور آپ کو دلائل عقلیہ

کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جس کے آپ منکر ہیں۔ اور آپکا فریق مخالف جو ایسی دلیلیں بلکہ ان سے بھی زیادہ واضح دلیلیں پیش کرے گا۔ اس کا جواب دینا پڑے گا۔ یہ سوال انپر اسطرح سے الٹا ہے کہ اگر ان کے متاخرین اور متقدمین سب جمع ہوکر جواب بنائیں تو نہ بن سکے۔ اور ہمارے مناظرین نے جو پہلے ان سے مباحثہ کئے ہیں۔ انہوں نے یہ خرابی کی کہ اپنی کمزوری سے اس اعتراض کو انہیں پر نہ پلٹایا بلکہ اُس کا طول طویل جواب دینا شروع کیا۔ جو نہ تو سراج الفہم تھا اور نہ فریق مقابل کو خاموش کرنے والا۔ اگر کوئی اس اعتراض پر جواب کرے کہ یہ تو الٹا پٹنا ہوا۔ اُن پر یہی اعتراض وارد رہا اور تم پر بھی بس کیا اس کا کوئی شافی اور تحقیقی جواب بھی ہے۔ ہم کہینگے کہ ہاں ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کوئی متحیر اور متلاشی کہے کہ میں متحیر ہوں اور کسی مسئلہ کا تعیّن نہ کرے جس میں وہ متحیر ہے۔ تو ہم اُسے کہیں گے۔ کہ تو گویا ایسا مریض ہے۔ جو کہ یہ کہتا ہے کہ میں مریض ہوں اور اپنا مرض نہیں بتاتا۔ اور علاج چاہتا ہے۔ اس سے ہم یہ کہیں گے کہ مرض مطلق کا کوئی علاج نہیں۔ بلکہ مرض کو خاص کرنا چاہئے۔ جیسے دردِ سر، اسہال وغیرہ۔ اسی طرح متحیر کو چاہئے کہ اس مسئلہ کو بتلائے۔ جس میں وہ متحیر ہے۔ اگر وہ اس مسئلہ کو متعین کریگا

جس میں اسے حیرت ہے تو اس میں حق و باطل کی تمیز انہیں موازین خمسہ سے ہو جائے گی۔ جن کا پہلے بیان ہوا۔ اس میزان کو دیکھ کر ہر ایک سمجھدار یہ کہتا ہے کہ یہ سچا ترازو ہے۔ اور اس کے تول پر پورا پورا اعتماد ہو سکتا ہے اور اسی میزان سے اس میزان کے حق ہونے کا علم اور یقین حاصل ہو سکتا ہے اور اسی سے دوسرے امر وزن کردہ شدہ کی حقیقت اور درستی کا ایسا یقین حاصل ہو جائے گا جیسا کہ علم حساب کا طالبعلم بذریعہ حساب ہی کے حساب کی صحت اور درستی کو اور نیز معلم کی علمیت اور صداقت کو دریافت کر لیتا ہے اور اسکو صحیح جانتا ہے۔ میں نے اس امر کو کتاب مسطاس المستقیم میں بوضاحت ۲۰ ورق کے اندر اندر بیان کیا ہے۔ وہاں اس کو دیکھنا چاہیے یہاں اصل مطلب تعلیمین کے مذہب کا ابطال نہیں ہے کہ اس کا بیان تو میں پہلے ہی کئی کتابوں میں کر چکا ہوں اولاً کتاب مستظہری میں اور ثانیہ کتاب موسومہ حجۃ الحق میں کہ ان کتابوں میں جوابات ان مسائل سے متعلق ہیں جو بغداد میں میرے سامنے پیش کیے گئے اور ثانیاً کتاب مفصل الخلاف میں جو بارہ فصل کی ہے کہ اس کتاب میں جواب ان کی اُن باتوں کا ہے جو ہمدان میں میرے سامنے پیش کی گئیں اور رابعاً کتاب مستی الدرج میں جو بصورت نقشے کے ہے کہ اسمیں ان ضعیف سے سوالات کا

جواب ہے جو طوس میں میرے سامنے پیش کیے گئے اور خاصتاً کتاب قسطاس المستقیم میں جس کا مقصود خاص میزان علوم کا بیان کرنا ہے اور اظہار اس امر کا کہ امام کے معصوم ہونے کی ہمیشہ کچھ حاجت نہیں۔ یہاں تو یہ جتلانا مقصود ہے کہ تعلیمین کے پاس ظلمت نجاست اور خباثت سے نجات دینے والی کوئی چیز نہیں بلکہ وہ اپنے امام کو بھی دلیل سے معین نہیں کر سکتے۔ با این ہمہ ہم نے اکثر ان کا تجربہ کیا اور ان کے اس قول کو تصدیق بھی کیا کہ ان کو بالضرور تعلیم کی حاجت ہے اور معلم معصوم کی ضرورت ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ وہ امام معصوم سے سیکھے ہیں مگر جب انپر اعتراضات کیے تو وہ ان اعتراضوں کو سمجھ نہ سکے۔ چہ جائیکہ اُن کو حل کر سکتے۔ جب وہ عاجز ہو گئے تو انہوں نے امام غایب کا حوالہ دیا اور کہا کہ ان کی خدمت میں سفر کر کے جانا چاہیے اور اُن سے پوچھنا چاہیے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے علم کی تلاش میں اپنی عمر ضائع کی اور پھر اس میں کامیاب ہونے پر مسرت اور خوشی بھی ظاہر کی۔ لیکن با اینہمہ پھر بھی کچھ نہ سیکھا۔ جیسا کہ نجاست آلودہ کوئی پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرے۔ جب اُسے پانی مل جائے تو اُس کو اس نجاست کے دور کرنے میں استعمال نہ کرے۔ اور ناپاک رہے

اور بعض کو تعلیمین میں سے ایسے لوگ ہیں کہ وہ علم کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو وہ بیان کرتے ہیں وہ کچھ ضعیف سے مسائل فلسفیہ فیثا غورس کے ہیں جو حکمار متقدین میں سے ہے اور اس کا مذہب سارے حکماز فلاسفہ کے مذہب سے زیادہ سست اور ضعیف ہے جس کی تردید حکیم ارسطا طالیس نے کی ہے بلکہ اس کے کلام کو رکیک اور ضعیف سمجھا ہے۔ جس کی حکایت رسالہ اخوان الصفا میں ہے۔ یہ مذہب از روئے حقیقت علم فلسفہ کے ردی اور بھرتی اور حشو ہے۔ پس تعجب ہے کہ ایک شخص ساری عمر علم کی طلب میں ضائع کرے۔ اور پھر اس قسم کی ضعیف اور فاسد باتوں پر اعتماد کر بیٹھے اور یہ سمجھے کہ ہم اعلےٰ مقاصد علوم پر کامیاب ہو گئے۔ اس فریق کا بھی ہم نے از روئے ظاہر و باطن کے تجربہ کیا ان کے اقوال و احوال کا خلاصہ یہی نکلا کہ عوام سادہ لوحوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ تمہارا مذہب درست نہیں تمہیں تعلیم کی ضرورت ہے اور نیز معلم کی حاجت ہے یہ سادہ لوح ضرورت تعلیم اور معلم کا انکار شروع کرتے ہیں اور وہ مضبوط دلائل سے تعلیم اور معلم کی ضرورت کو ثابت کرکے قائل کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی انہیں کہے کہ ہم تعلیم اور معلم کی ضرورت

تسلیم کرتے ہیں۔ پس چونکہ آپ نے معلم سے تعلیم پائی ہے اس لئے براہ مہربانی آپ اس علم کی ہمیں بھی تعلیم دیں اور مستفید فرمائیں۔ تو اس وقت کہہ دیتے ہیں کہ ہاں اب جو تم نے تعلیم اور معلم کی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے۔ اب آپ اس علم کی تلاش کیجئے۔ ہماری غرض فقط اتنی ہی تھی۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتلاتے۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ زبان ہلائی تو ساری قلعی کھل جائے گی ادنیٰ سے ادنیٰ اشکال حل کرنا تو بجائے خود رہا۔ اعتراض ہی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یہ اُن کی حقیقت حال ہے اگر تو آزمائے گا تو ان سے متنفر ہوگا۔ ہم نے جب انہیں آزمالیا تو ان سے ہاتھ اپنا اٹھالیا۔

قول ۶۔ طریق صوفیہ کے بیان میں

جب میں ان علوم سے فراغت پاچکا تو صوفیہ کرام قدس اللہ اسرارہم کے طریق کی طرف متوجہ ہوا۔ تب میں نے جانا کہ ان کا طریق علم اور عمل دونوں سے پورا ہوتا ہے۔ اور ان کے عمل کا نتیجہ اور حاصل یہ ہے کہ عقبات نفس کے قطع ہوجاتے ہیں اور وہ اخلاق مذمومہ اور صفات خبیثہ سے منزہ اور مبرا

ہوکر اخلاق محمودہ اور صفات حمیدہ سے آراستہ اور پیراستہ ہوجاتا ہے اور دل غیر اللہ تعالیٰ سے خالی ہوکر ذکر اللہ تعالیٰ سے متجلی ہوجاتا ہے اور چونکہ مجھ کو ان کے عمل کی بہ نسبت اُن کے علم کا مرحلہ طے کرنا سہل اور آسان تھا، اس لئے میں نے پہلے اُن کا علم تحصیل کرنا اُن کی کتابوں سے شروع کیا۔ جیسے کہ کتاب قوت القلوب حضرت ابو طالب[1] مکی رح کی۔ اور دیگر کتابیں حضرت حارث[2] محاسی رح اور حضرت جنید[3] رح اور حضرت شبلی[4] رح اور بایزید بسطامی[5] وغیرہ مشائخ قدس اللہ اسرارہم کی ہیں اس مطالعہ سے مجھ کو اُن کے علمی مقاصد کی کنہ اور ماہیت معلوم و مفہوم ہوگئی اور جہاں تک اُن کے طریق کی تحصیل تعلّم اور سماع کے ذریعہ سے ممکن تھی۔ میں نے حاصل کر لی۔ لیکن اس سے مجھ کو ثابت ہوگیا کہ ان کے اصل خواص اور لطائف نکات تعلم سے حاصل نہیں ہو سکتے ذوق اور

---

[1] دیکھو نفحات صفحہ ۷۹۔ وفات آپ کی ۳۸۶ھ میں بغداد میں ہوئی ۱۲

[2] " " " ۳۵۔ وفات " ۲۴۳ھ " " " ۱۲

[3] " " " ۳۶۔ " " ۲۹۹ھ " " " ۱۲

[4] " " " ۱۱۵۔ " " ۳۳۴ھ " " " ۱۲

[5] " " " ۳۰۔ " " ۲۶۱ھ میں بسطام میں ہوئی ۱۲

حال سے اور اپنی صفات کے پلٹنے سے حاصل ہو سکتی ہیں اس
کا ایسا حال ہے جیسے کوئی شخص صرف صحت اور سیر شکم
ہونے کی تعریف سیکھ لے اور ان کے اسباب اور شرائط
پر بخوبی حاوی ہو جاوے مگر اس سے وہ صحیح اور سیر شکم
نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے
علیٰ ہذہ القیاس۔ ایک شخص نے نشہ کی تعریف سیکھ لی کہ
وہ ایک حالت ہے جو معدہ سے دماغ کی طرف بخارات کے
صعود کرنے اور چشمہ فکر وغیرہ پر مستولی ہونے سے طاری
ہوتی ہے اور ایک شخص سکر اور نشہ میں چور ہوا ہوا
ہے لیکن وہ سکر کی تعریف اور اس کے اسباب کو نہیں
جانتا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دیکھو طبیب سکر
اور نشہ کی تعریف اور اس کے ارکان بخوبی جانتا ہے مگر
اس سے اُسے نشہ حاصل نہیں ہوتا اور نیز طبیب حالتِ
مرض میں صحت کی تعریف اور اس کے اسباب اور ادویات
بخوبی جانتا ہے حالانکہ وہ صحت سے بے بہرہ ہے اور اسی طرح
جو کوئی زہد کی حقیقت اور شرائط اور اسباب اسکے دریافت
کرلے وہ زاہد نہیں ہوتا اور اس کے نفس کو فی الواقع دنیا
سے بے رغبتی حاصل نہیں ہوتی۔ پس جب مجھ کو یقیناً یہ معلوم
ہوگیا کہ صوفیہ کرام رح صاحب حال ہیں۔ نہ صرف صاحب اقوال

اور یہ بھی مجھے دریافت ہوا کہ جو تصوف کا حصہ علم سے تعلق رکھتا ہے اور پڑھنے اور سننے سے حاصل نہیں ہوتا وہ ہنوز باقی ہے۔ الّا علوم شرعیہ اور علوم عقلیہ سے جن میں مجھ کو مزاولت اور مشق تھی مجھ کو ان تین امروں کا یقین کلی حاصل ہو چکا تھا اور نقشِ برسنگ کی طرح ذہن نشین ہو چکے تھے۔ کہ

۱۔ اللہ تعالیٰ حق ہے۔

۲۔ نبوت و رسالت برحق ہے۔

۳۔ روزِ آخرت حق ہے۔

اور ان تینوں باتوں پر ایمان کامل بدون کسی دلیل معین اور بیان کے میرے دل میں جما ہوا تھا اور جن اسباب و قراین اور تجربوں سے ان اصول پر مجھ کو ایمان کامل حاصل ہوا تھا انکی تفصیل تحریر میں نہیں آسکتی اور جبکہ مجھ کو یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت آخرت کی بدون تقویٰ کے اور نفس کو ہوا سے بچانے کی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی اور ان سب کی اصل علاقہ دل کو دنیا سے قطع کرنا اور اس دارِ غرور سے منھ پھیر کر دارِ پائدار کی طرف رجوع لانا اور نہایت ہمت سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور یہ باتیں

سلہ ای جوانانِ محمدی ان تین باتوں پر آپ کا ایمان بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جس کے دل میں ایمان ہے اسکے لیے ان تین باتوں میں دلیل کی ضرورت نہیں سہ ۔ ہر جائے مرکب تواں تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

د ۔ تو کچھ میں نے حاصل کر لیا ہے مگر جو حصہ ذوق و حال اور سلوک و عمل سے تعلق رکھتا ہے ۱۲۔

مال وجاہ سے رُو گردانی کرنے اور شور و غل اور علائق سے متنفر ہونے کے سوا حاصل نہیں ہوتیں۔ تب میں نے اپنے احوال کی طرف دیکھا تو پایا کہ میں تو دنیوی علائق و عوائق میں گرفتار ہوں۔ یہ مجھے ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے اپنے اعمال کی طرف نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا کہ میرا بہت اچھا کام تدریس و تعلیم ہے لیکن اس میں بھی بہت سے علوم غیر ضروری داخل ہیں جو طریق آخرت میں کچھ مفید نہیں۔ پھر میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا کہ کیسی ہے تو ثابت ہوا کہ خالصاً للہ نہیں بلکہ طلب جاہ اور شہرت و ناموری کے لئے ہے پس ان سب وجوہات سے مجھے یقین ہوگیا کہ میں دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر ہوں اور قریب ہے کہ میں اس میں گر جاؤں۔ اگر اپنے حال کی تلافی نہ کروں۔ پس مجھے یہ فکر دامنگیر ہوگیا۔ اسوقت تک زمام اختیار میرے ہاتھ میں تھی۔ کبھی تو میں بغداد سے چلے جانے کا قصد مصمم کرتا تھا اور اس حالت کے پلٹنے کا اور کبھی اس قصد کی کمر کو کھول بیٹھتا تھا۔ ایک پاؤں آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا پاؤں پیچھے کو ہٹاتا تھا۔ اگر کبھی صبح کو حصولِ عقبیٰ کی صادق رغبت پیدا ہوتی تھی تو اُسی شام کو خواہشاتِ نفسانیہ کا لشکر حملہ آور ہوکر اس کو مغلوب کر دیتا تھا دنیاوی ہوسوں کے زنجیر مجھے کھینچ کھینچ کر ایک طرف لئے جاتے تھے

اور ایمان کی منادی کرنے والا وہاں پر یہ آواز دیتا تھا کہ کوچ ہے کوچ۔ اب عمر بہت تھوڑی باقی ہے اور سفر دور و دراز درپیش ہے اور یہ جو علم و عمل تیرے گرد و پیش ہیں یہ سب ریا اور توہم ہیں۔ اگر تو آخرت کے لئے اب مستعد نہ ہوا تو پھر کب مستعد ہوگا اور اگر اب قطع علائق نہیں کرے گا تو پھر کب کرے گا۔ اس حالت میں جب ارادہ ہوتا تھا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں تو شیطان آکر کہتا تھا کہ یہ تو عارضی خیالات ہیں ان کی پیروی مت کرنا کیونکہ یہ سریع الزوال ہیں اگر تو اس خیال موہوم کی پیروی کرکے اس جاہ و منصب اور شان و شوکت کو جو آج تجھ کو بلا خدشہ اور بلا کدورت حاصل ہے چھوڑ دے گا تو غالباً تیرا نفس پھر اس کی طرف مائل ہوگا اور پھر یہ اعزاز حاصل نہ ہوسکے گا۔ میں ہمیشہ اسی تردد میں تھا کہ ادھر سے شہوات دنیوی کی کشمکش دنیا کی طرف کھینچتی تھی۔ اور اُدھر آخرت کی رغبت اپنی طرف اول رجب ۴۸۸ھ ہجری سے آخر ذی الحجہ سنہ مذکور تک چھ مہینے میں اسی کشاکش اور تردد میں رہا۔ اس ماہ ذی الحجہ میں معاملہ حد اختیار سے نکل کر حد اضطرار و عدم اختیار پر پہنچ گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ اکرام کیا کہ میری زبان ایسی بند کر دی کہ پھر میں پڑھا نہ سکا۔ اس حال میں اگر میں کوشش بھی کرتا تھا کہ طلباء شائقین

کے دل خوش کرنے کے لئے کچھ انہیں پڑھاؤں تو زبان سے
ایک لفظ نہیں نکل سکتا تھا۔ اور زبان نہیں چلتی تھی۔ اس
زبان کی بندش سے نہایت رنج و قلق ہوا اور میری قوت ہاضمہ
بھی جاتی رہی اور کھانا پینا ہاضم ہونے سے رہ گیا۔ نہ ایک گھونٹ
پانی کا پیا جا سکتا تھا اور نہ ایک لقمہ ہضم ہوتا تھا سب
خواہشیں منقطع ہوگئیں اور سب قومیں ضعیف۔ حتیٰ کہ اطباء
علاج سے مایوس ہوگئے اور انہوں نے بتلایا کہ پہلے کوئی
صدمہ اس کے دل پر پہنچا ہے۔ پھر اس کی سرایت مزاج کی
طرف ہوئی ہے اب اس کا علاج بدون اس کے ممکن نہیں
کہ پہلے دل کو اس صدمہ اور غم و اندوہ سے راحت اور آفاقہ
ملے۔ پس جب میں نے معلوم کرلیا کہ میں عاجز محض ہوگیا
اور کوئی اختیار میرا باقی نہیں رہا تو میں نے اللہ تعالےٰ کی
جناب میں التجا کی جس طرح کہ بے اختیار اور بے حیلہ اور
بوسیلہ التجا کیا کرتا تھا۔ پس اُس حضرت مجیب الدعوات
نے جو بیقراروں اور بے اختیاروں کی دعا قبول کرتا ہے
میری دعا و استدعا قبول فرمائے اور میرے دل پر جاہ
و منصب اور عیال و مال اور اولاد و احباب سے رو گردانی
کرنی آسان ہوگئی ہے۔ پس میں نے ظاہر کیا کہ میں مکہ معظمہ
کو جانا چاہتا ہوں۔ لیکن میرے دل میں ملک شام کا

سفر مسفر اور مستتر تھا یہ اخفا اس خوف سے تھا کہ کہیں خلیفۂ وقت اور میرے یار دوست میرے اس عزم سے اطلاع نہ پائیں کہ ملک شام میں قیام کرنا چاہتا ہے۔ تب میں نے لطایف الحیل کے ساتھ بغداد سے اس طرح نکلنے کا ارادہ ظاہر کیا کہ پھر وہاں کبھی واپس نہ آؤں گا۔ اس پر عراق کے علماء و ائمہ نے مجھکو تیر ملامت کا نشانہ بنایا کیونکہ ان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ترک مناصب اور ترک دنیا کو امر دینی سمجھے۔ اس لئے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ دین میں سب سے زیادہ منصب اور اعلےٰ رتبہ یہی ہے جو اسے حاصل ہے اور عام لوگوں کا حال کچھ نہ پوچھو جو عراق عرب سے بعید فاصلہ پر تھے وہ تو سمجھتے تھے کہ یہ استعفاء اور ترک جاہ حکام کے اشارے سے ہے اور جو حکام کے پاس رہتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ حکام بصد الحاح و اصرار میرے قیام تعلق کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے انکار ہے اور مجھے ان سے اور ان کی بات سے نفرت ہے آخر عوام یہ کہتے تھے کہ یہ آسمانی تقدیر ہے اور اہل اسلام اور زمرۂ طالبان علم پر نظر بد لگی ہے۔ پس میں نے بغداد کو چھوڑ دیا اور جو مال میرے پاس تھا اس میں سے بقدر کفاف اور قوت اطفال کے رکھ کر باقی سب یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ عراق کا مال عوام کے سود و بہبود کے لئے ہے اور مسلمانوں پر وقف ہے پس مصالح عوام۔

میں صرف کرنے کے لئے میرے ملل سے زیادہ اور کون سا مال لائق تر ہے۔ بعدہٗ ملک شام کو چلا گیا اور وہاں دو سال کے قریب رہا۔ اس عرصہ میں بدون عزلت اور کنج خلوت اور مجاہدہ و ریاضت کے اور کوئی شغل مجھ کو نہیں تھا اور نیز تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور ذکر الٰہی سے قلب کا تصفیہ کرنا جس طرح کہ میں نے علم تصوف سے سیکھا[له] تھا۔ میرا کام تھا دمشق کی ایک مسجد میں ایک مدت معتکف رہا کہ دن کو ایک منارہ پر چڑھ کر اس کا دروازہ بند کر لیا تھا اور سارا دن وہاں ہی بیٹھا رہتا تھا۔ پھر بیت المقدس میں جا کر ہر روز ایک حجرہ میں جا گھستا تھا اور اس کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ اسکے بعد میرا ارادہ سفر حج کا ہوا تاکہ حج کا فرض ادا کروں اور مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی برکات فیض سمات سے مستفید ہوں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ وعلیٰ نبینا صلوات اللہ کی زیارت سے فارغ ہو کر حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت پر افاضت سے مشرف ہوں تب

[له] یہاں کسی صاحب کو یہ خیال نہ گزرے کہ حضرت امام کا کوئی مرشد نہ تھا انہوں نے کتابوں ہی کو پڑھا آپ ہی آپ مجاہدہ کر کر تزکیہ نفس کر لیا کہ یہ اگینسٹ رول ہے۔ مرشد حضرت امام کے حضرت شیخ ابو علی فارمدی رح تھے (دیکھو نفحات صفحہ ۳۷ و رسالہ قدسیہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ)

میں نے ملک حجاز کا سفر کیا۔ وہاں سے بال بچہ کی محبت نے پھر مجھ کو وطن کی طرف کھینچا۔ اگرچہ میں خلقت کی طرف رجوع کرنے کے لائق نہیں رہا تھا۔ مگر میں پھر اپنے وطن مالوفہ میں واپس آ گیا۔ وہاں آکر بھی بدستور تصفیہ قلب اور ذکر الٰہی کے لئے خلوت گزین اور عزلت پسند رہا۔ آخر زمانہ کے حوادث اور عیال و اطفال کی ضروریات اور وجہ معیشت کی تنگی صورت مراد کو متغیر کرتی تھی اور اخلاق کی صفائی کو مکدر کرتی تھی اور کبھی کبھی متفرق اوقات میں ہی صفائی اور جمعیت حاصل ہوتی تھی۔ لیکن باایں ہمہ میں صفائی وقت اور جمعیت خاطر سے مایوس نہیں تھا۔ علائق اور عوائق دنیوی مجھے اس کے روکتے تھے لیکن پھر میں اس کی طرف رجوع کرتا تھا۔ اسی حالت میں قریب دس برس کے گزر گئے ان خلوتوں اور عزلتوں میں بہت سے امور و اسرار مجھ پہ منکشف ہوئے۔ جن کا احاطہ اور شمار نا ممکن ہے ہاں صرف اسی قدر بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں جس سے لوگوں کو فائدہ پہونچے۔ اس عرصہ میں مجھے یقیناً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پہ چلنے والے صوفیہ کرامؒ ہی ہیں۔ اور انہیں کی سیرت و عادت سب سے افضل ہے۔ انہیں کا طریقہ اور راستہ سب راستوں سے سیدھا ہے انہیں کے اخلاق سب اخلاق سے پاکیزہ ہیں بلکہ اگر کل عقلا کی عقلیں اور سب حکماء کی حکمتیں اور کل علماء شریعت اور واقفانِ

علوم دینیہ کے علوم جمع کئے جاویں تو صوفیہ کرام رح کے اخلاق و اطوار اور سیرت اور طبیعت کی ذرہ بھی برابری نہ کر سکیں۔ اور انکو نہ پلٹا سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام رح کے جمیع حرکات اور سکنات ظاہری اور باطنی مشکوٰۃ نبوت کے نور سے مقتبس ہیں اور روئے زمین پر کوئی نور سوائے نور نبوت کے روشن نہیں[۱]۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو طریق ایسا مقدس ہو کہ اس کی پہلی شرط ماسوی اللہ سے دل کا پاک اور مطہر کرنا ہو اور اس کا پہلا ہی مرحلہ بجائے تحریمہ نماز کے ذکر الٰہی میں دل کا مستغرق ہونا ہو اور اس کا آخری درجہ فنا فی اللہ بالکلیہ ہو ایسے طریق پر تحقیق کی بابت کوئی کیا نکتہ چینی کر سکتا ہے۔

یہ جو ہم نے طریق تصوف کا اخیر درجہ فنا فی اللہ کا بیان کیا ہے یہ درحقیقت اخیر درجہ نہیں ہے۔ اس کا آخری ہونا بدیں لحاظ ہے کہ جہاں تک کسب و اختیار اور محنت و مجاہدہ سے یہ طریق حاصل ہو سکتا ہے اس کا یہ آخری درجہ ہے ورنہ درحقیقت یہ اول درجہ سلوک کا ہے اور اس سے پیشتر کا جو حصہ تھا وہ تو سالک کے لئے مثل دہلیز کے تھا۔ یہ وہ طریق ہے جسکے پہلے ہی مرحلہ سے

---

[۱] اس کو غور سے پڑھنے گا اور صوفیہ کرام رح کا رتبہ اس بیان سے سمجھ لیجئے گا کہ کیا عالی ہے۔ ان سے حسن عقیدت عین اسلام ہے۔ ۱۲

مشاہدات اور مکاشفات شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ عالم بیداری میں فرشتوں کو اور ارواحِ انبیاء علیہم السلام کو دیکھتے ہیں اور ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔[1] پھر اس حال مشاہدہ صور اور امثال میں اس قدر ترقی کر جاتے ہیں کہ اس کے حال کے بیان میں قوت ناطقہ عاجز ہو جاتی ہے اور کوئی متکلم اس کی تعبیر ایسے الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ جو صریح خطا پر مشتمل نہ ہوں۔ آخر کو مقام قرب الٰہی پر اس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ کہ بعض لوگ اسے حلول خیال کرنے لگتے ہیں اور بعض اتحاد اور بعضے وصول۔ مگر یہ سب خیالات غلط ہیں اور ان کے غلط ہونے کی وجہ ہم نے کتاب مقصد الاقصےٰ میں بیان کی ہے۔ ہاں جس نے اس حال کا مزا چکھا ہے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ میاں تھا جو کچھ تھا۔ کیا اس کا ذکر کروں۔ کوئی بہت اچھی ہی چیز تھی کیا پوچھتے ہو کہ کیا تھی۔

پس جس شخص نے اس علم تصوف کا مزا نہیں چکھا اس نے حقیقت نبوت سے سوائے نام کے اور کچھ نہیں جانا۔

---

[1] یہاں ظاہر ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ان واقعات کے عینی گواہ ہیں۔ اگر کوئی ان پر یقین نہ کرے تو اس کا اپنا قصور ہے امر واقعہ کی تردید اس کے یقین نہ کرنے سے نہیں ہو سکتی ہے۔

اولیا اللہ کی کرامت[1] انبیاء علیہم السلام کی ہدایات ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حالت انہیں دنوں حاصل تھی جب دنیا سے قطع تعلق کرکے غار حرا میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں خلوت میں معبود برحق کی عبادت مشغول تھے۔ یہاں تک کہ عرب کے لوگ یہ کہتے تھے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا پر عاشق ہوگئے ہیں، یہ وہ حالت ہے جس کو اہل ذوق جو سلوک کے راستہ میں چلتے ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں اور جو اس ذوق و شوق سے محروم ہے وہ تجربہ اور سننے سے دریافت کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ ایسے لوگوں سے بکثرت صحبت رکھے، یہ حال اہل صحبت کو علامات و قرائن سے بھی یقینی طور پر سمجھ میں آسکتا ہے جو شخص ان پاک لوگوں سے صحبت رکھے گا۔ وہ یہ ایمان اُن سے حاصل کرلے گا

---

[1] یہیں ظاہر ہے کہ حضرت امام رح اولیاء اللہ کی کرامت کے قایل ہیں اور کیوں کر قائل نہ ہوں کہ آپ اہل سنت والجماعت سے تھے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کا یہ مسئلہ ہے کہ کرامت الاولیاء حق۔ منکر اس کا اُن کے فرقے سے نہیں

[2] اس سے ظاہر ہے کہ جو ذوق و شوق سے محروم ہے اُس کو اس ذوق و شوق کی اصلیت سے بوجہ اپنی محرومی کے انکار نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اس کا یقین اس طرح حاصل کرنا چاہئے جس طرح حضرت امام رح نے آگے بیان کیا ہے یعنی پہلے عقائد سنت والجماعت پر قائم ہو۔ پھر ان اولیاء اللہ کی صحبت میں حسن عقیدت سے حاضر ہو۔ اور ان سے جو کلام سنے اور اپنی سمجھ میں نہ آوے تو اپنی غلطی اور کم فہمی کا معترف ہو۔ اُن کے کلام میں شبہ یا حرف گیری نہ کرے اگر صحبت نصیب نہ ہو تو اُن کی کتابوں کا کیا ہی مطالعہ کرے اور اسمیں بھی اسی اصول پر عمل کرے ۱۲

یہ ایسا فرقہ ہے کہ جن کا ہم صحبت کبھی محروم اور بدنصیب نہیں رہا اور
جس کو دولت صحبت اور سعادت ذوق وشوق حاصل نہیں وہ دلائل و براہین سے
بھی اس حالت کا یقین کر سکتا ہے جیسا کہ ہم نے احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلوب
میں بیان کیا ہے براہان ودلیل سے اس حالت کا ثابت کرنا علم ہے اور اس حالت
کی مزاولت اور مشق رکھنا ذوق ہے اور سنکے اور تجربہ کرکے حسن ظن سے مان لینا
اور قبول کر لینا ایمان ہے، یہ تین درجے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یرفع
اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔ ترجمہ جو لوگ تم میں سے ایمان
لائے ہیں اور نیز جو لوگ علم عطا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سب کے درجے
بلند کرتا ہے۔ ان کے ماسوی ایک جاہل قوم[1] ہے جو اس اصل حالت
سے بالکل منکر ہے وہ لوگ ایسی باتوں کو سن کر تعجب اور مسخری کرتے
ہیں۔ اور العجب العجب کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو کب ہدایت ہوگی انہیں
کے حق میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ ومنہم من یستمع الیک حتیٰ اذا خرجوا من
من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال آنفًا۔ اولئک الذین طبع اللہ علی
قلوبہم واتبعوا اھواءہم۔ ترجمہ بعض منکرین میں سے وہ لوگ ہیں جو تیری باتیں
سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں، تو اُن لوگوں
کو جو مرتبہ علم پر پہونچے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھو اُس نے آج
کیا کہا یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالےٰ نے مہر لگادی
ہے اور وہ اپنی ہوا وہوس کی پیروی کرتے ہیں۔ اب اس بات کو

---

[1] اس سے [illegible] سمجھانے اور ذوق کو نہ سمجھے [2] یہ قوم [illegible] اور [illegible] نہیں کی ہے ۱۲

جانئے کہ جو حقیقت نبوت اور اسکی خاصیت مجھ کو صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریق پر تحقیق پر چلنے اور مزاولت کرنے سے حاصل ہوئی ہے اس کی اصلیت کو جتلاتا ہوں کہ اس کی اصلیت کا جتلانا ضروری ہے کیونکہ اس کی بہت حاجت ہے۔

قول حقیقت نبوت کے بیان میں اور اس بیان میں کہ خلق کو اس کی ضرورت ہے۔

واضح ہو کہ جوہر انسانی اول فطرت میں خالی اور سادہ یعنی سادہ پیدا ہوا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے عالم ہائے مختلفہ اور اقسام مخلوقات کی کچھ خبر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے عالم پیدا کئے ہیں۔ جن کا شمار سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ یعنی تیرے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ان عوام کو انسان صرف ادراک اور سمجھ ہی سے معلوم کر سکتا ہے۔ اور ہر ایک ادراک اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان اس کے ذریعے سے کسی عالم پر مطلع ہووے۔ عالموں سے ہماری مراد موجودات کی مختلفہ اقسام

لہ اور جو کوئی صاحب اہل اسلام سنت والجماعت طریق صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم پر چلیں گے وہ بھی اس حقیقت کو معلوم کرلیں گے ۔ لہ اور اب بھی اس کی حاجت ہے اسلئے یہ ترجمہ کیا گیا ہے

ہیں۔ اول آلہ ادراک جو انسان میں پیدا کیا گیا ہے۔ حس لمس ہے جس سے بہت سے اقسام موجودات کو انسان پہچان سکتا ہے جیسا کہ حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ نرم۔ کھردار وغیرہ لیکن قوت لامسہ رنگ اور آواز کو ہرگز دریافت نہیں کر سکتے بلکہ یہ اقسام موجودات کے قوت لمس کے حساب سے تو معدوم محض ہیں۔ اس لئے آنکھ عطا کی گئی۔ اور اس میں قوت باصرہ رکھی گئی۔ جس کے ساتھ رنگ روپ۔ اور شکل وصورت دریافت کرتا ہے اور یہ عالم محسوسات میں بہت وسیع ہے۔ علیٰ ہذہ القیاس پھر اس کے لئے قوت سمع کا دروازہ کھول دیتا ہے جس سے آواز و نغمات سنتا ہے پھر قوت ذائقہ عطا کرتا ہے اور اور قوتیں عطا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ عالم محسوسات سے قدم بڑھا کر عالم تمیز میں پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت اس کو قوت تمیز عطا کی جاتی ہے۔ یہ قوت سات برس کی عمر کے قریب قریب دیجاتی ہے یہ طور اسکے اطوار وجود میں ایک نیا ہی ہوتا ہے۔ جس میں محسوسات سے بڑھ کر وہ زائد امور معلوم کرتا ہے جو اس سے پیشتر عالم حس میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک اور طور میں ترقی کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ عقل پیدا کر دیتا ہے جس ذریعہ سے امور واجب اور جائز اور مستحب اور ایسے امور دریافت

کرتا ہے جو پہلے اطوار میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ پھر عقل کے بعد ایک اور طور ہے جس میں انسان کے لئے ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس کے ذریعہ سے عالم غیب کو اور زمانہ مستقبل کی باتوں اور دیگر ایسے امور کو معلوم کر سکتا ہے جن میں عقل ایسی ہی نکمی ہے جیسے حس قوت تمیز کے معلومات کی دریافت سے اور قوت تمیز مدرکات اور معلومات عقل کے دریافت سے نکمی ہے اگر اس عقل کے معلومات پیش کئے جاویں گے تو بیشک قوت ممیزہ اس سے انکار کرے گی اور ان کو بعید اور تقریباً ناممکن سمجھے گی۔ اسی طرح اگر عقل پر نبوت کے معلومات پیش کئے جادیں گے۔ تو وہ بھی حسب معمول ان سے انکار کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عقلاء[1] نے مدرکات نبوت سے انکار کر دیا ہے اور انہیں بعید از عقل سمجھا ہے۔ یہ نہایت نادانی ہے ان کا انکار محض اس وجہ سے تھا کہ یہ اس سے بے بہرہ تھے اور اس سے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ درحقیقت بھی موجود نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اندھا مادرزاد۔ اگر اس کو متواتر شنوائی کے ذریعہ سے مختلف رنگ اور اشکال معلوم نہ ہوتے اور دفعتاً اسکے پاس رنگوں اور شکلوں کا ذکر کیا جاتا۔ تو وہ ان کو کبھی نہ سمجھتا اور ان کا اقرار نہ کرتا اور اس علم نبوت اور غیب کے دریافت ہو جانے کو اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق [illegible] پر اس طرح سے واضح کیا ہے

---

[1] جو عقل عزیزی کے عقلاء ہیں [illegible] جو اس سے بے بہرہ ہوگا وہ انکار کریگا

کہ ان کو خاصیت نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے جس کا نام خواب ہے کیونکہ کبھی خواب میں ایسے امور غیبی دریافت ہوتے ہیں جو آئندہ وقوع میں آتے ہیں۔ یعنی یا تو صریحاً ان کو وہ دیکھتا ہے یا صورت مثالی میں جس کی تعبیر اس کی اصلیت کو ظاہر کر سکتی ہے۔ اور اگر خواب کو لوگ نہ دیکھتے اور پھر ان کے سامنے یہ کہا جاتا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی حالت مثل غش آجانے والے کے اور مثل مردہ کے ہوجاتی ہے اور ان کے حواس سب معطل ہوجاتے ہیں۔ وہ اس حالت میں اُن کو غیب کی کچھ باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ تو بیشک لوگ اسکا انکار کرتے ہیں اور اسکے ناممکن ہونے پر دلیل قائم کرتے اور یہ کہتے کہ قوائے حسیہ ادراک علم کے اسباب ہیں جس کو ان کے ہوتے ہوئے وہ امور غیبی معلوم نہ ہوئے تو ان کے کھو جانے سے بطریق اولیٰ معلوم نہ ہوں گے۔ مگر یہ دلیل ایسی ہے جس کو مشاہدہ اور واقعات جھوٹا ثابت کرتے ہیں۔ پس جیسا کہ عقل آدمی کے اطوار میں سے ایک طور یعنی قوت ہے۔ جس کے ذریعہ سے آدمی کے لئے ظاہری آنکھوں کے سوا ایک اور آنکھ کھل جاتی ہے۔ جس سے بہت سے ایسے معلومات کو دریافت کر سکتا ہے۔ جن کے اندر حواس ظاہری معطل اور نکمے ہیں اسی طرح نبوت بھی ایک طور ماسوی دیگر اطوار مذکورہ بالا کے ہے۔ جس کے ذریعہ سے ایک تیسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے نور سے

غیب کی باتیں منکشف ہوتی ہیں اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کو عقل دریافت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی شخص نبوت میں شک کرے تو تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کے ممکن ہونے میں شک ہوگا یا اس کے موجود اور واقع ہونے میں یا ایک شخص معین کے لئے اُس درجہ نبوت کے حصول میں اس کے امکان کے ثبوت کی دلیل تو یہ ہے کہ نبوت موجود ہے اور جو چیز موجود ہے اُس کے امکان میں شک نہیں ہو سکتا۔ اب آپ پوچھیں گے کہ نبوت کے موجود ہونے کا کیا ثبوت ہے تو ہم کہیں گے کہ دنیا میں بعض معلومات ایسے ہیں کہ عقل کے ذریعہ سے کبھی دریافت نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ علم طب اور علم نجوم۔ جو شخص ان علوم کو پڑھتا ہے وہ بالضرور جان لیتا ہے کہ (امبزائد) بدون الہام الٰہی اور توفیق ایزدی کے ان علوم کے پیدا ہونیکی کوئی صورت نہیں اگر کوئی کہے کہ یہ سب علوم تجربہ سے ثابت ہوئے ہیں۔ اور ہو سکتے ہیں لسکے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ بعض احکام علم نجوم کے ایسے ہیں جن کا وقوع ہزار برس میں ایک دفعہ ہوتا ہے اور تجربہ کئی دفعہ کے آزمانے کا نام ہے تو بتلائیے کہ اس صورت میں کس حکیم کی عمر ایسے مسائل کے تجربہ کے واسطے مکتفی ہوئی ہے یا ہو سکتی ہے۔ علیٰ ہٰذہ القیاس ادویہ کے خلاص۔ پس اس دلیل سے ثابت ہوا کہ ممکن ہے کہ ایسے امور کے دریافت کرنے کے لئے ایک اور طور سوائے طور عقل کے ہو اور اسی طور اور قوت کو باہم

نبوت کہتے ہیں۔ بلکہ ایسی چیزوں کا دریافت کرنا جو مدرکات عقل سے خارج ہیں۔ نبوت کے خواص میں سے ایک خاصہ ہے اور ما سوائے اسکے اور بہت سے خواص نبوت کے ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے۔ اور جو خواص ہم نے بیان کئے ہیں وہ سمندر میں سے ایک قطرہ ہیں۔ کیونکہ تمہارے پاس اس کا ایک نمونہ معلومات خواب ہے اور دوسرا نمونہ علم طب اور علم نجوم وغیرہ ہیں اور یہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ جن کو عقلاء اور حکماء اپنی عقل کے سرمایہ سے ہرگز دریافت نہیں کر سکتے تھے ان کے ما سوائے بعض خواص نبوت ایسے ہیں کہ وہ صرف اس ذوق سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جو تصوف کے راستہ پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے اگر نبی کے لئے کوئی ایسا خاصہ ہو جس کا نمونہ آپ کے پاس نہیں۔ تو اس صورت میں آپ اسکو کبھی نہ سمجھ سکیں گے۔ چہ جائیکہ اس کی تصدیق کیونکہ تصدیق سمجھنے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ یہ نمونہ سلوک تصوف کے ابتدائی درجہ ہی میں حاصل ہو سکتا ہے کہ اتنے ہی سے ایک طرح کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے ایک طرح کی تصدیق اُن معلومات کی حاصل ہو جاتی ہے جو صرف عقل و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ایک ہی خاصیت اصل نبوت پر ایمان لانے کے واسطے کافی و وافی ہے۔ اگر آپ کو کسی خاص آدمی کی نبوت پر شک ہے کہ نبی ہے یا نہیں تو یہ شک اس کے احوال کے دریافت کرنے سے رفع ہو سکتا ہے اور نبوت کا یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ احوال کی معرفت یا تو اس نبی کے مشاہدہ سے ہو سکتی ہے یا متواتر

سماعت کے ذریعہ سے۔ دیکھو جب آپ نے علم طب اور علم فقہ پڑھا تو آپ کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ آپ کو اطباء اور فقہا کا حال دریافت ہونے لگا یا تو اُن کے حالات کے دیکھنے سے یا ان کے اقوال کے سننے سے اگر آپ انہیں دیکھ نہیں سکتے تو یہ امر تو آپ بخوبی معلوم کر سکتے ہیں کہ امام شافعی رح فقیہہ تھے اور جالینوس طبیب تھا۔ یہ علم بطور تحقیق حاصل ہوا ہے نہ بطور تقلید۔ سن سنا کے۔ بلکہ ان کی کتابوں اور تصنیفات کے دیکھنے سے جو آپ علم فقہ پڑھتے وقت دیکھتے ہیں۔ پس اس طرح سے آپ ان کے حالات بالضرورت جان سکتے ہو جب آپ نبوت کے معنی سمجھ کر قرآن اور احادیث میں نظر کروگے تو تم کو بالضرورت ثابت ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلےٰ درجے کے نبی تھے۔ اور اس امر کی تائید اس طرح سے ہو جائے گی کہ جب آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال کو دیکھوگے جو عبادات سے تصفیہ قلب ہونے کے باب میں ارشاد فرمائے ہیں۔ تو ان کو برحق اور راست پاؤگے اور نیز آپ نے دیکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کیا سچا ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کریگا اللہ تعالیٰ اسکو ان علوم کا وارث کردیگا۔ جن کو وہ نہیں جانتا اور نیز یہ قول کہ جو شخص ظالم کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلط کردیتا ہے۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم کہ جو شخص صبح کو اٹھے جس حالت میں کہ اسکو صرف ایک ہی فکر ہو۔

(یعنی فکر الٰہی) تو اللہ تعالیٰ اسکے سارے دنیا اور آخرت کے غم رفع کر دیتا ہے۔ جب آپ ان اقوال کی صداقت کا تجربہ ہزار اقوال میں یا دو ہزار یا کئی ہزار اقوال میں کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ارشادات محض صدق ہیں جن میں کوئی شک نہیں۔ پس آپ اس طریق کی تعلیمات سے نبوت کا یقین تلاش کیجئے۔ نہ لٹھیا کے سانپ ہو جانے سے یا چاند کے پھٹ[1] جانے سے۔ کیونکہ جب آپ صرف کسی ایسے ایک معجزہ کی طرف نظر دوڑائیں گے اور اس کے ساتھ اور بے شمار قرینہ اور دلائل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور راستی پر دلالت کریں شامل نہ ہوویں تو اس صورت میں کبھی آپ کا خیال گزرے کہ وہ سحر تھا یا خیال بندی تھی اور شاید یہ شبہ جو آپ کے دل میں پیدا ہو۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے گمراہی میں ڈالنے کے لئے ہووے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یا اور شبہات معجزات کی بابت آپ کے دل میں پیدا ہوں۔ لیکن اگر آپ کا ایمان نبوت پر ایسی کلام کی سند سے ہو گا جو ایک سلسلہ وار ہو اور انمیں بہت سی صداقتیں ہوں۔ تو بصورت دلالت معجزہ کے تو آپ کا ایمان یقینی اور پختہ ایسی سلسلہ وار کلام سے ہو جائے گا جس پر کوئی اعتراض نہ وارد ہو سکے گا۔ پس ثابت ہوا کہ خوارق عادات کو ہی اصل دلیل اور

---

[1] یہاں انکار معجزہ شق القمر نہیں نکلتا اس عبارت کی مراد کو سمجھنا چاہئے۔

مدارکل ثبوت نبوت کا نہیں ٹھہرانا چاہیئے۔ بلکہ ان کو منجملہ دیگر قرائن سے دلائل کے ایک دلیل اور قرینہ سمجھنا چاہیئے۔ تاکہ آپ کو ان مجموعہ دلائل ایک ایسا ضروری علم نبوت کا حاصل ہو جائے۔ جس کی سند میں کوئی ایک معین خاص دلیل پر آپ کا تکیہ اور بہروسا نہ ہے۔ جیسا کہ کسی چیز کا علم تواتر اور شہرت عامہ سے حاصل ہووے تو وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ یقین فلاں شخص واحد مخصوص سے حاصل ہوا ہے بلکہ اس علم و یقین کا منبع غیر معین ہوتا ہے اور مجموعہ اعداد کثیرہ سے باہر نہیں ہوتا یہی علم قوی ایمان علمی ہے اور جو نبوت کا علم بطور ذوق کے ہو وہ تو حکم مشاہدہ کا رکھتا ہے۔ یا یوں کہو کہ گویا اس کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اس قسم کا علم و یقین سوائے طریق صوفیہ کرام رح کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی قدر نبوت کا بیان اس مطلب کے واسطے کافی ہے جس کو میں اب یہاں بیان کرنا چاہتا تھا۔ اور آئندہ بھی وقت ضرورت کے اس کا ذکر کروں گا۔

قول اس بیان میں کہ پھر میں نے علم کی اشاعت کی طرف کیوں توجہ کی باوجودیکہ پہلے میں اُس سے اعراض کر چکا تھا۔

واضح رہے کہ میں نے جب عزلت گزینی اور خلوت نشینی قریب دس برس کے اختیار کی۔ تو اس اثنا میں مجھ کو اس امر کا علم ضروری بے شمار

اسباب اور وجہات سے حاصل ہوا کبھی ذوق سے اور کبھی دلیل و برہان کے ذریعہ سے اور کبھی قبول ایمانی کے وسیلہ سے کہ انسان دو چیزوں سے بنا ہوا ہے۔ جس میں ایک بدن ہے، دوسرا دل[1] اور دل سے یہاں میری مراد حقیقتِ روحانی ہے۔ جو واجب تعالیٰ کی معرفت کی جگہ ہے نہ کہ وہ صنوبری شکل کا مضغہ گوشت جو ہمارے جیسا مردوں اور چوپائیوں میں بھی موجود ہے اور یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح بدن کے لئے ایک حالت صحت ہے جو اس کی سعادت کا موجب ہے اور ایک حالت مرض ہے جو اس کے لئے ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے اسی طرح دل کے لئے بھی دو حالتیں ہیں ایک حالت صحت و سلامت ہے جس کی نسبت یوں کہا گیا ہے کہ نجات نہیں پائے گا۔ مگر وہی شخص جس کو خداوند تعالےٰ نے دل سلیم عطا کیا ہے۔ دوسری حالت مرض ہے جس میں اسکی ہلاکت ابدی اور اخروی ہے اگر اس کا علاج نہ کیا جائے جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فی قلوبھم مرض“۔ یعنی اُن کے دلوں میں مرض ہے اور مجھ کو یہ بھی ثابت ہوا کہ جہل باللہ یعنی اللہ تعالےٰ کا نہ جاننا سم قاتل ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی جو ہوائے نفس کی متابعت سے ہو دل کے لئے مرض قرض ہے، اور اور معرفت اللہ تعالیٰ کی اس کے لئے تریاق محیی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت اور نفس کی مخالفت اس کے لئے دوائے شافی ہے

[1] دوسرے لفظوں میں اسی کو روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک لطیفہ ہے ۱۲

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح بدن کا معالجہ بدون ادویہ کے نہیں ہوتا اور بدن کو مرض سے صحت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح دل کا معالجہ بھی بدون ادویہ خاص کے نہیں ہوتا اور اس کو مرض سے صحت حاصل نہیں ہوتی اور جس طرح جسمانی علاج میں ادویہ جسمانی اظہار صحت بدن میں اپنی خاصیت ذاتی کا ایسا اثر دکھاتی ہیں جس کو عقلا اپنے سرمایہ عقل سے دریافت نہیں کر سکتے بلکہ اس جسمانی میں اُن اطباء کی پیروی ضروری ہے۔ جنہوں نے اس کو ان انبیاء علیہم السلام سے سیکھا تھا جن کو شرف نبوت کی وجہ سے خواص اشیاء اور تاثیرات ادویہ پر اطلاع ہوئی تھی۔ اسی طرح روحانی علاج میں ادویہ روحانی یعنی ادویہ القلوب جو عبادات مخصوصہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے ان کی حدود اور مقادیر محدودہ مقرر کی ہیں۔ اظہار صحت قلب میں اپنی ذاتی خاصیت سے ایسا اثر رکھتی ہیں کہ عقل اس کی دریافت سے بے بہرہ ہے اور اس میں انہیں انبیاء علیہم السلام کی تقلید ضروری ہے جنہوں نے اس قسم کے خواص عبادات کو بدون ذریعۂ عقل کے دریافت فرمایا ہے۔

اور جس طرح کہ ادویہ مرکبہ مختلف نوع اور مختلف مقدار کی اجزا سے مرکب ہوتے ہیں۔ بعض کا وزن بعض سے دگنا ہوتا ہے اور اس اختلاف اوزان کا بھی ایک خاص سِر اور راز ہے جو از قبیل خاصیت اشیاء ہے اسی طرح عبادات جو ادویہ القلوب ہیں مختلف نوع ہیں اور مختلف مقادیر کے افعال سے مرکب ہیں۔ جیسے سجدہ رکوع سے دُگنا رکھا گیا ہے اور

صبح کی نماز۔ نمازِ عصر سے نصف ہے اس میں بھی موجد حقیقی نے کوئی سِرّ از قبیل خواص رکھا ہے جس کی اطلاع بدون نور نبوت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس شخص نے اپنی عقل کے ذریعہ سے عبادات کے اسرار دریافت کرنے میں کوشش کی۔ اس نے اپنا حمق[1] ظاہر کیا ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ اعداد رکعت اور ارکان صلوٰۃ اور دیگر عبادات کی کمی و بیشی محض امر اتفاقی ہے اس میں کوئی سِرّ رکھی نہیں۔ جو بالخاصیۃ اس کا مقتضی ہو اس نے بھی اپنی جہالت[2] ظاہر کی اور جیسے کہ ادویات میں اجزاء دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو اصول جن کو ارکان کہتے ہیں یعنی اصل اجزاء دوسرے زوائد جو ان کے متمم ہوتے ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک کو ان اصول کے اعمال میں خاص تاثیر ہے اسیطرح سنن اور نوافل ارکانِ عبادات کے متمم ہیں اور تکمیل ارکان عبادات کے لئے ضروری۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام امراض دل کے طبیب ہیں۔ جب عقل کو یہ امر معلوم ہو جائے تو اس کا فائدہ اسی میں ہے کہ نبوت کی صداقت پہ گواہی دے اور اپنے آپ کو ان امورات

---

[1] اس وجہ سے کہ عقل عزیزی اور جزدی کو جسکو اسلام سے کچھ خصوصیت نہیں ہے مسلم اور غیر مسلم دونوں میں ہوتی ہے بلکہ کبھی ایک مسلم سے غیر مسلم میں زیادہ ہوتی ہے یہ طاقت نہیں بخشی گئی کہ عبادات کے اسرار کو دریافت کر سکے پس کوئی اس عقل سے اُن کو دریافت کرنا چاہے اس کا حمق ظاہر ہے اس کی یہ کوشش ایسی ہے جیسے کوئی آنکھ سے سننا چاہے درکان سے دیکھنا دوم کلمہ لاکھ جتن کوئی کرے لاکھ کرے کوئی دہیان نہ آنکھ کبھی نہیں سن سکے دیکھ سکے نہیں کان حکمت اسکو کہتے ہیں جس کا کام ہے وہ اس سے لینا چاہئے ورنہ حکمت نہ ہوگی حماقت ہوگی [2] یہ اس وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے اوامر اور نواہی آلہی میں بھی ایک حکمت ہے جو عین نبوت سے معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲

کے درک سے جو چشم نبوت سے معلوم ہو سکتی ہیں، نابینا[1] اور اندھا تصور کرے اور اپنا دخل اس میں نہ دے، بلکہ ہم کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر حضرت نبوت کے حوالے کر دے جیسا کہ اندھوں کو لاٹھی کھینچنے والوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے یا حیران بیمار کو طبیب مہربان کے سپرد کر دیا جاتا ہے، یہاں تک تو عقل کو راہ ہے اور وہ قدم مار سکتی ہے لیکن آگے اس کے وہ معزول[2] ہے اور اور اس کو کچھ نہیں معلوم ہو سکتا سوائے اس کے کہ طبیب اس کو کچھ بتلائے یہ وہ امور ہیں جو ان دس برس کی خلوت اور عزلت میں بالضرورت مجھ کو معلوم ہوئے اور مشاہدہ ہوئے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ بعض لوگوں کے دلوں میں اعتقادات اصل نبوت میں فتور اور قصور ہے بعض حقیقت نبوت کو نہیں سمجھتے بعض ان احکام پر عمل کرنے سے قاصر ہیں جن کی تشریح حضرت نبوت نے فرمائی ہے اور مجھے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ یہ بلا[3] خلقت میں پھیلی ہوئی ہے پھر میں نے خلقت کے فتور اخلاق اور ضعف ایمان کے اسباب میں غور کی تو ثابت ہوا کہ اسکے چار سبب ہیں ایک تو ان لوگوں کی جانب سے ہے جو علم فلسفہ میں غور کرتے ہیں۔ اور ایک ان لوگوں کی طرف سے ہے جو طریق تصوف میں خوض کرتے رہتے ہیں اور ایک

---

[1] نابینا اور اندھا تصور کرنا عقل غریزی اور جزدی کا اپنے آپ کو ان امور کے درک سے جو عقل کلی اور عین نبوت سے معلوم ہوتے ہیں عین اسکی بینائی ہے کہ اپنے مقام پر کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتی اور بیماری میں نہیں پڑتی ۱۲

[2] حضرت امام رح کا یہ کلام یقین کرنے کے قابل ہے کہ آپ اسکے عینی گواہ ہیں۔

[3] اور اب بھی یہ بلا خلقت میں پھیلی ہوئی ہے ۱۲

اور ایک دن اُن لوگوں کی جانب سے ہے جو امام معصوم سے تعلیم پانے کا دعویٰ رکھتے ہیں اور ایک دن اہل معاملہ کی طرف سے ہے جو اپنے تئیں لوگوں میں عالم کہلاتے ہیں۔ میں ایک مدت تک عام لوگوں سے یہ پوچھتا رہا اور اس کی خوب تحقیق کرتا رہا کہ تم شریعت کی متابعت میں کوتاہی اور تقصیر کیوں کرتے ہو۔ میں ہمیشہ اُن سے پوچھتا تھا کہ آپ کا کیا شُبہ اور اعتراض ہے اور نیز آپ کا عقیدہ اور رازِ دل کیا ہے اور میں ان سے یہ کہتا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم شریعت کی متابعت نہیں کرتے۔ اور اگر آخرت پہ ایمان رکھتے ہو تو کیوں اس کے لئے تیار اور آمادہ نہیں ہوتے اور اس کو دنیا کے عوض بیچتے ہو۔ یہ تو ایک قسم کی حماقت ہے۔ کیونکہ جب تم دو روپیہ کو ایک روپیہ کے عوض نہیں دے سکتے تو کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم بے انتہا ایام راحت کو چند ایام محنت کے عوض بیچ ڈالو۔ اور اگر آخرت پر آپ کو ایمان نہیں ہے۔ تو پھر آپ کافر ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اپنا فکر کریں اور اپنے نفس کو طلبِ ایمان کی طرف لاویں اور دیکھیں کہ کفر خفی[1] کا کیا سبب ہے جو آپ کے باطن کا مذہب ہے اور ظاہر میں اس پر جرأت کرنیکا سبب ہے اور ایمان کے تجمل سے یا عظمت شریعت سے یا سلطان وقت کے خوف سے اس کفر خفی کو ظاہر نہیں کرتے۔ اس پر ایک قائل

---

[1] یہ کفر خفی بہت بری بلا ہے طالبان طریق اولی اللہ اس کی بڑی تفتیش کرتے ہیں اور باطن کو ظاہر کے مطابق رکھتے ہیں ۱۲

نے یہ کہا کہ اگر شریعت کی محافظت واجب ہوتی تو بے شک علمار اس التزام کے زیادہ ترمستحق ہوتے حالانکہ فلاں مشہور فاضل نماز نہیں پڑھتا اور فلاں عالم شراب پیتا ہے اور فلاں مولوی صاحب مال حرام از قسم مال وقف و مال یتیم کھاتا ہے۔ اور فلاں قاضی عدالت میں رشوت لیتا ہے۔ دوسرے قائل نے یہ کہا کہ میں علم تصوف کا عالم ہوں اور اس درجہ پر پہنچ گیا ہوں۔ کہ وہاں عبادت کی کچھ حاجت نہیں۔ تیسرے قائل نے اہل اباحت کے شبہات اٹھائے اور اہل اباحت وہ فرقہ ہے جو طریق تصوف میں تصوف کو چھوڑ کر اور بھٹک کر گمراہ ہو گیا ہے۔[1]

چوتھا قائل فرقہ تعلیمین کی سند پر چلا اور کہا کہ امر حق کا دریافت کرنا ہی مشکل ہے اور حق پہچاننے کا راستہ ہی بند ہے کیونکہ مختلف مذاہب شائع ہیں اور ایک مذہب دوسرے سے اولی نہیں۔ اور عقلی دلائل باہم متعارض ہیں اہل الرائے کی رائے کا اعتماد نہیں۔ ہاں جو کوئی مذہب تعلیم پر چلے۔ اس کو یقین حاصل ہوتا ہے۔ محبت کی اسکو ضرورت نہیں۔ پس شک کے عوض یقین کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

---

[1] یہ وہ فرقہ ہے جو ہمہ اوست کہتا ہے۔ اور حفظ مراتب نہیں رکھتا جامی ؒ

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد ؛ گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

پانچواں یہ کہتا ہے کہ میرا یہ فعل تقلیدی نہیں ہے۔ میں نے علم فلاسفہ بخوبی پڑھا۔ اور حقیقت نبوت کو بخوبی دریافت کیا اس کا مال اور خلاصہ حکمت اور مصلحت وقت ہے اور انبیاء نے جو عبادات کی قید لگائی ہے اس سے ان کا مقصود صرف عامہ خلائق کو ضبط میں رکھنا اور باہمی جھگڑوں اور فسادوں سے روکنا اور شہوات میں نہ ڈوبنے دینا۔ اور رخصت سے بچانا ہے اور میں عوام جہلا سے نہیں ہوں جو مکلف ہوں۔ اور تکالیف شرعیہ کا بھاری پتھر سر پر اٹھاؤں میں تو فرقہ حکماء وقت سے ہوں اور حکمت کا تابع ہوں اور اسمیں سب کچھ دیکھتا ہوں اور اس وجہ سے مجھے کسی کی تقلید کی کچھ ضرورت نہیں یہ آخری درجہ اُن لوگوں کے ایمان کا ہے جنہوں نے علم فلسفہ الٰہی پڑھا اور اس کو علی بن سینا اور ابو نصر فارابی وغیرہ کی کتابوں سے سیکھا[۱]۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام کے ساتھ تجمل رکھتے ہیں بعض ان میں سے قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں اور رمضان میں روزہ بھی رکھتے ہیں اور نماز جمعہ اور جماعتوں میں بھی حاضر ہوتے ہیں۔ اور زبان سے شریعت کی بڑائی بھی کرتے ہیں لیکن شراب خوری اور دیگر اقسام کے فسق و فجور نہیں چھوڑتے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے

---

[۱] اور اب مغربی زبانوں میں ان کو پڑھا اور وہ باتیں کہنے لگے جو امام رح نے بیان کی ہیں۔

کہ اگر شریعت برحق نہیں تو پھر آپ نماز کیوں پڑھتے ہیں اسکا جواب کبھی تو آپ یہ دیتے ہیں کہ جسمانی ریاضت کیلئے اور شہر کے لوگوں کی حالت کے سبب اور نیز مال اور اولاد کے بچاؤ اور حفاظت کے واسطے اور کبھی یہ کہدیتے ہیں کہ شریعت درحقیقت صحیح ہے اور نبوت برحق ہے۔ پھر جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پھر آپ شراب کیوں پیتے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کہ شراب سے خدا تعالیٰ نے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں نشہ ہے اور نشہ موجب فساد ہے۔ لیکن میں حکیم ہوں اور حکمت سے اس طرح پیتا ہوں کہ فساد سے بچ جاتا ہوں۔ اور اس غرض سے شراب پیتا ہوں کہ قوت ہاضمہ درست رہے۔ ذہن تیز رہے۔ رنج و غم نزدیک نہ پھٹکے۔ یہاں تک کہ ابن سینا نے اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسا اور ایسا عہد کرتا ہوں اور قواعد شرعیہ کی تعظیم اور عبادات دینیہ کے ادائے کی بابت عہد کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی لہو ولعب کے لئے شراب نہ پیونگا بلکہ دوا اور تشفی دل کے لئے۔ دیکھئے اسکی صفائی ایمان اور التزام عبادات کی۔ یہ منتہی حالت تھی۔ کہ تشفی کے لئے شراب کا پینا مستثنیٰ کر لیا[۵۱]۔ یہ وہ ایمان ہے۔ جس کا حکمت پڑھنے والے لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اسی مکر و فریب سے سادہ لوحوں کی ایک جماعت کو بہکا لیتے ہیں اور زیادہ تر ان کے فریب اور مکر میں آنے کی اور ان سے مار کھانے کی ایک

---

[۵۱] یہ استثنا تجربہ عقل جزوی اور نابالغ کی ہے عقل کلی اور بالغ ایسا پوچ اور لغو بیان نہیں کر سکتے

وجہ یہ ہے کہ بعض معترضین ان پر ضعیف[1] اعتراض کر دیتے ہیں اور خصوص علم ہندسہ اور منطق وغیرہ سے ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ جن سے وہ خوب واقف ہوتے ہیں اور یہ اتنا نہیں جانتے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ پس جب کہ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگوں کے ایمان میں ان اسباب سے ضعف آگیا ہے اور یہاں تک آگیا ہے جس کا بیان میں نے کیا اور میں نے دیکھا کہ میں اس قسم کے شبہات رفع کرنے میں مشاق ہوں اور ایسے لوگوں کا قائل کرنا اور فضیحت کرنا میرے نزدیک کچھ بھی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں فلسفہ اور صوفیہ اور تعلیمین اور علماء مترسمین کے علوم اور طریقوں میں بہت کچھ خوض کر چکا ہوں تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس وقت جو یہ بلا ایسی پھیل گئی ہے کہ مرض عام ہو گئی ہے اور طبیب خود اس مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں اور خلقت ہلاکت کے کنارہ پر پہنچ گئی ہے میرا خلوت نشین اور عزلت گزین ہونا کچھ مفید نہیں۔ مگر پھر میں نے اپنے جی میں کہا کہ تو اس بلا کے رفع اور اس اندھیر کے دفع کرنے میں اس فتور کے زمانے اور سستی دین کے وقت میں کب مستقل طور پر قائم رہ سکے گا۔ کیونکہ اگر تو اس زمانہ میں لوگوں کو طریق حق اور راہ راست کی طرف دعوت کرے گا اور بلائیگا تو سارے اہل زمانہ تیرے دشمن ہو جائیں گے تو ان سب کا مقابلہ کیونکر کر سکیگا۔ اور تو ان کی تکالیف کب

---

[1] اور اب بھی جو کوئی ایسا اعتراض کرے گا اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا ۱۲

اٹھا سکے گا۔ اور برداشت کرسکے گا۔ یہ تو کسی اچھے زمانے میں اور کسی ایسے دیندار بادشاہ کے عہد میں ہوسکتا ہے جس سے دین کی سستی کوسوں دور ہوں۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عجز ظاہر کرکے کہ میں دلائل اور مباحثہ[1] سے اظہار حق نہیں کرسکتا۔ ہمیشہ کے لئے گوشہ نشین رہنے کا عہد کیا مگر بعد اس کے خداوند تعالیٰ کی تقدیر سے ازخود بدوں کسی خارجی محرک کے بادشاہ وقت کے دل میں یہ لازمی خیال پڑا کہ وہ فتنہ کے مٹانے کے لئے کوشش کرے چنانچہ اس مہم کے تدارک کے واسطے وہ نیشاپور کی طرف نہضت فرما ہوا۔ اور اس حد تک اس التزام میں مبالغہ فرمایا کہ میں نے سمجھ لیا کہ اگر میں اُن کے برخلاف اصرار کروں گا تو یہ امر انسانیت سے بعید ہوگا۔ اور وحشیانہ حرکت ہوگی۔ تب میرے دل میں گزرا کہ اب تو اس عہد وپیمان کا سبب ضعیف ہوگیا ہے۔ اب عزلت کی حفاظت اور آرام طلبی اور ذاتی آسائش کے لئے عزلت گزینی مناسب نہیں اور یہ بہانہ کرنا درست نہیں کہ ہم خلقت کی تکلیفیں برداشت نہیں کرسکتے جس حالت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لایفتنون۔ ولقد فتنا الذین من قبلہم الاٰیۃ

---

[1] حضرت امام رح مباحثہ سے اظہار حق نہ کرسکے تو ظاہر ہے کہ اور کوئی بھی اس میں جیسا کہ چاہئے کامیاب نہ ہوگا۔ صوفیہ کرام رح نے خوب اصول قرار دیا ہے کہ باب مباحثہ اور جدل بازی کو بالکل بند کیا ہے اور وقت ضرورت قوت باطنی سے کام لیتے ہیں ۱۲

یعنی کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو صرف اتنی ہی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی اور ہم آزمائش کر چکے ہیں ایمانداروں کی جو اس سے پیشتر ہو چکے ہیں اور نیز خداوند تعالیٰ اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جو ساری مخلوقات سے زیادہ معزز ہیں خطاب کرکے فرماتا ہے۔ ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا الآیتہ۔ یعنی جو پیغمبر تیرے سے پہلے ہوئے ہیں ان کو بھی لوگوں نے جھوٹا کیا مگر انہوں نے اس پر صبر کیا اور نیز خداوند تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں فرمایا ہے۔ انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم لتنذر قوماً ما انذر آباؤہم وہم غافلون۔ یعنی آپ کو راہ راست پر بھیجا گیا ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈر سناویں جن کے باپ دادوں کو بھی نہیں سنایا گیا اور وہ غافل ہیں۔ تو میں نے اس بارے میں چند اہل دل اور ارباب مشاہدہ سے مشورہ کیا انہوں نے بھی ترک عزلت کی طرف اشارہ فرمایا اور بہت سے صالحین سے بھی اس معاملہ میں عرض کیا گیا انہوں نے بھی یہی شہادت دی کہ اس حرکت اور ترک[1] عزلت کا مشاہدہ خیر ہے اور اسکا منبع ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے شروع پر مقدر کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے کہ وہ ہر صدی کے شروع پر اپنے دین کو زندہ کریگا

---

[1] یہاں ظاہر ہے کہ ایسے حال میں جیسا کہ امام رحمۃ نے فرمایا ہے ترک عزلت بہتر ہے ۱۲

ان وجوہات سے میرا عزم ترکِ خلوت پر مستحکم ہو گیا ہے اور ان شہادتوں پر مجھے حسن ظن حاصل ہو گیا ہے۔ پس حکم الٰہی سے مجھ کو ماہ ذیقعدہ ۴۹۹ھ میں نیشاپور کی طرف روانہ ہونا نصیب ہوا۔ اور بغداد سے نکلنے کی بھی تاریخ یہی تھی۔ یعنی ماہ ذیقعدہ ۴۸۸ھ۔ اس حساب سے میری عزلت کا زمانہ گیارہ سال ہوا۔ یہ حرکت عجائب مقدرات الٰہی سے تھی جو کبھی زمانہ عزلت میں میرے دل میں بھی نہ گزرتی تھی۔ جیسے بغداد سے جلاوطن ہونا اور ان سب تعلقات کا چھوڑنا کبھی بطور امکان کے بھی دل میں نہ گزرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب اور احوال کو پلٹنے والا ہے اور مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان ہے اور میں نے جان لیا کہ اگرچہ بظاہر میں نے اشاعت علم کی طرف رجوع کیا ہے مگر یہ دراصل رجوع نہیں کیونکہ رجوع تو وہ ہوتا ہے کہ اسی چیز کی طرف پھر متوجہ ہو جس کی طرف پہلے تھا۔ لیکن میں اس سے پیشتر وہ علوم پڑھاتا تھا جن سے جاہ و مناصب اور اعزاز و مال حاصل کیا جاتا تھا۔ اور میں اپنے قول و فعل سے اُسی کی طرف لوگوں کو بلاتا تھا اور اب میں اُس علم کو لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں جس سے جاہ و مال چھوڑا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اب یہی نیت میری ہے اور میں ہمہ تن یہی چاہتا ہوں کہ اس سے میرے نفس کی اور دیگر لوگوں کی صلاح ہو۔ مگر یہ میں نہیں جانتا کہ اس کام میں میں کامیاب ہونگا یا نہیں۔ البتہ میں یہ ایمان یقینی اور مشاہدہ رکھتا ہوں کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

یعنی کسی کو طاقت اور قوت سوا خدا کے کسی کام کے پورا کرنے کی نہیں ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ میں نے بھی کوئی حرکت خود نہیں کی۔ بلکہ اسی نے حرکت دی ہے اور میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ مگر اسی نے کام کرایا ہے۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ملتجی ہوں کہ اولاً مجھ کو اس سے صلاحیت بخشے اور پھر میرے سے اوروں کو اور پہلے مجھ کو ہدایت پر چلا دے اور میرے سے دوسروں کو ہدایت بخشے اور یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو حق کو حق دکھلا دے اور اُس کی اتباع کی توفیق بخشے۔ اور باطل کا باطل دکھلا دے اور اس سے بچنے کی توفیق بخشے۔

اب سنئے کہ میں ضعف الایمان مذکورہ بالا کے اسباب اور ضعیف الایمانوں کی ہدایت کے راستے اور انکو مہلکوں اور ہلاکتوں سے بچانے کے طریق بیان کرتا ہوں جاننا چاہیے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اہل تعلیم یعنی فرقہ تعلیمین کی باتیں سن کر حیران ہیں اس کا علاج وہی ہے جو ہم کتاب قسطاس المستقیم میں بیان کر چکے ہیں اور اس رسالہ میں ان کو بلحاظ طوالت ذکر کرنا مناسب نہیں اور دوسرے جو اہل اباحت کا توہم اور شبہ ہے اسکو ہم نے سات قسم میں منحصر سمجھا ہے جس کا جواب ہم نے کتاب کیمیائے سعادت میں لکھدیا ہے باقی رہے وہ لوگ جو طریق فلسفہ سے بہکے ہوئے ہیں یہانتک

کہ اصل نبوت سے بھی منکر ہیں۔ نبوت کی حقیقت تو ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کے وجود کو بالضرورت وجود علم خواص الادویۃ النجوم وغیرہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور ہم نے اس مقدمہ کو اسی لئے پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔ اور ثبوت نبوت کے لئے ہم نے خواص طب میں نجوم کی اس لئے دلیل پیش کی ہے کہ یہ دلیل عین انہیں کے نفس علوم میں سے ہے اور جو فلسفہ دان اپنے علوم سے مثلاً نجوم، طب، طبعی۔ سحر، طلسمات وغیرہ سے بخوبی واقف ہوگا اسکے لئے اسی کے علم سے نبوت کی دلیل واضح ہو جائے گی مگر جو شخص نبوت کو اپنی زبان سے ثابت کرے اور مسائل شرعیہ کی بنا حکمتوں پر رکھے وہ درحقیقت نبوت کا کافر اور منکر ہے اور اپنے نفس امارہ اور طبیعت مخصوص کا حکم ماننے والا ہے جو یہ چاہتی ہے کہ وہ میرا تابع ہے اور یہ امر الایمان بالنبوت سے بہت دور ہے کیونکہ نبوت پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ ایک ایسے طور کے اثبات کا مقر ہو جو ورائے طور عقل ہے جسکے ذریعہ سے وہ آنکھیں کھل جاتی ہیں جو ایسے معلومات کو دریافت کرتی ہیں جنہیں عقل نکمی اور معزول ہے جیسا کہ قوت سامعہ رنگ واشکال کے دریافت سے معزول ہے اور چشم ادراک اصوات سے محروم ہے اور حواس ادراک معقولات میں نکمے ہیں اور اگر کوئی اسکو نہ مانے تو اس دلیل سے جو ہم نے قائم کی ہے اسکا امکان اسکو ماننا پڑے گا گو کہ اس کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے اور جو مان

لے گا اس پر یہ ثابت ہو جائے گا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ ادویات
میں ایسے خواص ہیں جو عقل سے کوسوں دور ہیں۔ بلکہ عقل ان کی
تکذیب کرتی ہے اور ان کو محال سمجھتی ہے دیکھو کہ افیون کا ایک
دانگ سم قاتل ہے۔ جس سے کثرت برودت کے سبب خون رگوں
میں منجمد ہوتا ہے اور جو کوئی علم طبی جاننے کا دعویٰ کرتا ہے
وہ یہ کہتا ہے کہ مرکبات کو جو ٹھنڈا کیا جاتا ہے تو اس میں عنصر پانی
اور مٹی کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی دو عنصر بارد ہیں۔ مگر یہ بات
اس شخص کو جو دانا اور فہیم ہے بخوبی معلوم ہے کہ مٹی اگر سیروں
کھالی جائے تو اس سے اتنی ٹھنڈ پیدا نہیں ہوتی جتنی افیون
کے ایک دانگ سے پیدا ہو جاتی ہے اور اگر فرض کر لیا جائے
کہ جس قدر پانی افیون میں ہے وہ پانی اور مٹی ہی ہیں تو پھر بھی
اس قدر پانی اور مٹی کے اجزاء سے اسقدر ٹھنڈ پیدا نہیں ہو سکتی
جس قدر افیون سے خون میں پیدا ہو جاتی ہے اور جب ان کے
ساتھ اجزا حار منضم ہوں جیسے اجزاء ناریہ اور ہوائیہ ہیں تو اس صورت
میں تو کسیطرح اسقدر ٹھنڈا پانی نہیں ہو سکتی جس قدر افیوں سے پیدا ہو جاتی
ہے تو اس امر کو کہ افیون سے اس قدر ٹھنڈ پیدا ہو جاتی ہے محال کہتا اور
محال ہونے کی یہ دلیل لاتا کہ افیوں میں چونکہ اجزاء ناریہ اور ہوائیہ
ہیں اور اجزا ناریہ اور ہوائیہ برودت پیدا نہیں کرتے۔ افیوں سے ٹھنڈ
پیدا ہونا محال ہے۔ یہ خاصہ برودت کی تو ہم نے تھوڑی سی دلیل

پلیش کی ہے ۔علم الہیات اور طبیعات کی اور بہت سی براہین اور دلائل فلاسفر ایسے ہی ہیں جو غلط اور نا درست ہیں ۔ بات یہ ہے کہ فلاسفہ نے اپنا خیال خام ہر ایک امر کی نسبت اسیقدر پکایا ہوا ہے کہ جس قدر انہوں نے اسکو اپنی عقل ناقص سے سمجھا اور پایا ہے اور جس کو اپنی عقل ناقص اور نابالغ سے نہ سمجھ سکے نہ پا سکے اس کو محال ٹھہرا لیا ہے ۔ اگر رویار صادقہ یعنی خواب سچا جو تجربہ اور واقعات سے سچا ثابت ہوتا ہے نہ ہوتا اور کوئی مدعی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جب حواس معطل اور اپنے کام سے بیکار ہو جاتے ہیں ۔ تو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو بلا شک وہ لوگ اس کا انکار کرتے جو ایسی عقول ناقص رکھتے ہیں اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ کہا جاتا کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے کہ اگر ایک حبہ بھر وہ کسی شہر میں رکھ دی جائے تو سارے شہر کو کھا جاوے اور پھر اپنے تئیں بھی کھا جاوے تو وہ اگر ایک چنگاری آگ سے شہر کا جل جانا اور پھر اس آگ کا بجھ جانا نہ دیکھ لیتا تو ضرور اس سے انکار کرتا ۔ اور یہی کہتا کہ یہ محال ہے اور از قبیل خرافات ہے

پس جاننا چاہیے کہ عجائبات آخری کا انکار بھی اکثر اسی قبیل سے ہے ہم طبعی اور فلسفی سے افیوں کے خاصہ کے باب میں یہ کہیں گے کہ ہماری اس دلیل کو سن کر آپ اس بات کے کہنے پر مجبور ہیں کہ افیون

میں بالخصوص ایک خاصیت تبرید یعنی ٹھنڈ پیدا کرنے کی ہے گو کہ یہ قیاسِ عقل کا بقواعد حکمت طبیعیہ ہو۔ پھر آپ اس بات کو کیوں نہیں مانتے اور ناجائز فرماتے ہیں کہ اوضاع شرعیہ میں بھی قلوب کے علاج اور اظہارِ صحت اور اسکے تصفیہ میں خواص ہیں جو حکمتِ عقلیہ سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ عین نبوت سے معلوم ہوتے ہیں اور دیکھے جاتے ہیں ایک اور بات سنئے۔ حکماء کی کتابوں میں ایک نقش بیذرہ کا لکھا ہے جو ہندسوں اور حرفوں میں حسب ذیل لکھا جاتا ہے۔

و	ا	ح	۶	۱	۸
ز	ه	ج	۷	۵	۳
ب	ط	د	۲	۹	۴

اس میں نو خانے ہیں جن میں نو مختلف اعداد یا حروف لکھے جاتے ہیں جس طرف سے اُس کو جوڑو بیذرہ ہوتے ہیں اگر اوپر سے نیچے کو کسی خانے کو جوڑو تب بھی بیذرہ ہوتے ہیں۔ اگر دائیں سے بائیں کو کسی خانہ کو جوڑو تب بھی بیذرہ ہی ہوتے ہیں۔ اگر دائیں سے بائیں کو کسی خانے کو جوڑو تب بھی بیذرہ ہوتے ہیں۔ حکما نے اس کی اس عجائب عزائب خاصیت کا اقرار کیا ہے کہ جب دو ٹھیکر یوں پر جن کو پانی نہ لگا ہو یہ نقش لکھ کر حاملہ عورت کو دیا جاتا ہے۔

سلہ اگرچہ حال کے فلسفی اس نقش کی تاثیر کو نہیں مانتے اور یہ دلیل ان کے اعتراض کو قطع نہیں کرتی، مگر حضرت امام رح نے پہلے فلسفیوں کی تردید اسی کے خیالات سے کی ہے حال کے فلسفیوں کے خیالات کی تردید اور بہت سے دلائل سے ہوتی ہے ۱۲ (دیکھو شکل مندرجہ متن)

اور وہ اس کو دیکھتی ہے اور پاؤں کے نیچے رکھتی ہے تو فوراً بچہ باہر آجاتا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو کوئی اس نقش کی تاثیر کو مانتا ہے اُس کی عقل اس بات کے ماننے اور تصدیق کرنے پر دلیری کیوں نہیں کرتی۔ کہ نماز صبح کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت ہونے میں بھی ایسا ہی خواص غیر معلوم ہے جو نظر حکمت سے معلوم نہیں ہوتا عین نبوت سے معلوم ہوتا ہے اور سبب اس کا اختلاف اوقات نماز ہے اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ اگر ہم اسی کو منجم کی عبارت میں بیان کریں اور یوں کہیں کہ جب آفتاب وسط آسمان میں ہو تو طالع کا حکم اور ہوتا ہے اور جب غارب میں ہو تو اور۔ ایسے اختلاف احکام پہ جنم پتریوں اور عمروں اور عملوں میں فرق ہوتا ہے تو وہ شخص جو منجم کو سچا جانتا ہے جھٹ مان لیتا ہے کیونکہ وہ منجم کے کہنے کو یہاں تک سچا جانتا ہے گو کہ اس کا قول بارہا جھوٹا نکلا ہو کہ اگر وہ یوں کہدے کہ جب آفتاب وسط آسمان میں ہو اور اس کی طرف فلاں ستارا دیکھتا ہو اور فلاں طالع ہو اس وقت اگر تو نیا کپڑا پہنے گا تو اسی کپڑے میں مارا جائے گا اسکو اس کا یہاں تک یقین ہو جاتا ہے کہ ایسی صورت میں جاڑے مرتا ہے مگر وہ کپڑا نہیں پہنتا۔ اب آپ غور کریں کہ ہمارے دعوئی کی جو وہ تصدیق کرتا ہے سو اسکے اور کوئی بات نہیں کہ ہم نے اسکے عبارت منجم میں بیان کیا ہے۔ ورنہ

آفتاب کو وسط آسمان میں کہا تو وہی بات اور زوال میں کہا تو وہی بات۔ آفتاب کو غارب میں کہا تو وہی بات اور مغرب میں کہا تو وہی بات۔ پھر مجھ کو اس کا بڑا تعجب ہے کہ جس کی عقل ان بدیح کو قبول کرتی ہے اور اس بات کا اعتراف بحکم اضطرار کرتی ہے کہ انمیں کوئی ایسا خواص ہے جن کی معرفت بعض انبیاء کے معجزوں سے ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی اور باتوں کو ایسے نبی سے سنکر جو صادق ہو اور معجزات سے تائید کیا گیا ہو اور کبھی اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کبھی نہ ہوئی ہو کیوں نہیں یقین کرتا اور کیوں نہیں ایسے ہی خواص کا امکان اعداد رکعات میں اور صفا مروہ دوڑتے ہیں اور طواف کعبہ میں اور کنکریاں مارنے وغیرہ عبادات شرع میں مان لیتا۔ جب کہ ان میں اور خواص ادویہ اور خواص نجوم میں اصلا کچھ فرق نہیں پایا جاتا یہاں اگر کوئی فلسفی یوں کہے کہ ہم نے نجوم کی چیزوں کو اور طب کی چیزوں کو تجربہ کر کے دیکھ لیا بعض ان میں اپنے خواص میں ٹھیک اور درست ہیں اس لئے ہمارے دل میں ان کی تصدیق بیٹھ گئی ہے اور ذہن نشین ہوگئی ہے اور استبعاد و نفرت دل سے جاتی رہی مگر شرعیات کا ہم نے تجربہ نہیں کیا۔ پس اگر ہم انکے خواص کے امکان کا اقرار بھی کریں تو ان کا وجود اور تحقق کس طرح معلوم کریں اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کے بیان میں کچھ غلطی ہے آپ نے خود علم نجوم کا تجربہ تو نہیں کیا بلکہ تجربہ کاروں سے بطور اخبار کے

سن کر اُن کی تقلید کر لی ہے۔ جیسے طب اور نجوم کے بارہ میں آپکے اُن تجربہ کاروں کے اقوال سنے اور ان کو یقین کر کے ان کی تقلید کی ہے ایسے ہی شریعت کے بارہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے اقوال سنئے۔ جنہوں نے اس کا تجربہ کیا ہے جو شرع میں وارد ہوا ہے اور اس کے حق ہونے کا مشاہدہ کیا ہے اور ان کے طریق پر چلئے۔ آپ بھی اُن خواص کو مشاہدہ کر لیں گے علاوہ بریں اگر آپ نے تجربہ نہیں کیا تو بھی لازم تھا کہ آپ کی عقل وجوب تصدیق واتباع پر حکم دیتی۔ کیونکہ اقتضائے عقل سلیم یہی ہے فرض کیجئے کہ کوئی عاقل آدمی بالغ ہوتے ہی بیمار ہوجائے اور اس کا پدر مہربان طبیب حاذق ہو جس کی طبی کمال کا شہرہ ابتدا زمانہ شعور سے وہ لڑکا سنتا رہا ہو اور اس کا وہ پدر مہربان اسکے لئے ایک معجون تیار کر کے کہے کہ تیرے مرض کی یہ دوا ہے اس سے تیرے مرض کو شفا ہو جائے گی۔ تو اب آپ بتلائیے کہ آپ کے نزدیک وہ لڑکا کیا کرے گا۔ آیا آپ نے پدر مہربان کے فرمانے کی تصدیق کرے گا اور وہ دوا کو کڑوی ہو کھالے گا۔ یا اس کی تکذیب کریگا اور یوں کہے گا کہ شفا کو اس دوا سے کیا نسبت۔ میری عقل نہیں مانتی اور نہ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ اس لئے میں اس کو نہیں کھاتا۔ کیا ایسی صورت میں آپ اس کو احمق نہیں سمجھیں گے۔ اسی طرح ارباب بصیرت آپ کو بھی احمق سمجھیں گے

اگر آپ ایسے مہربان نبی کی مجوزہ معجون صحت روحانی کے استعمال کرنے میں توقف کریں گے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ہم کیوں کر جانیں کہ نبی صاحب ہمارے مہربان ہیں اور طب روحانی سے بخوبی واقف ہیں تو میں اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ آپ نے اپنے والد کا مہربان ہونا کس طرح معلوم کیا ہے کیا وہ محسوس ہے۔ نہیں۔ بلکہ قرآئین احوال اور شواہد اعمال سے جو روزمرہ نشست برخاست آمد و رفت میں اُن کی جانب سے وقوع میں آتے رہے ہیں آپ کو ضرورتاً یہ علم دیقین ہو گیا ہے کہ وہ مہربان ہیں اور اس میں آپ کو کسی طرح کا کوئی شک باقی نہیں رہا۔
اسی طرح جو شخص اقوال حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں جو عامہ خلائق کی ہدایت اور عوام کے حال پر شفقت کے بارے میں اخبار ہیں وارد ہیں نظر اور غور کرے گا تو پائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس درجہ کی نرمی اور حسن اخلاق سے لوگوں سے پیش آتے تھے اور لوگوں کے رفع فساد اور اصلاح میں کہاں تک توجہ فرماتے تھے الغرض جو کچھ ہمارے دین اور دنیا کے لئے مناسب ہے سب کی طرف کامل توجہ رکھتے تھے جو شخص ان سب امور کو بخوبی سمجھے گا وہ بالضرور جان لیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت عام امت کے حال پر اُس سے کئی درجہ بڑھ کر تھی۔ جو ایک پدر مہربان اپنے لڑکے پر رکھتا ہے اور جب اُن غیبی عجائب چیزوں کی بابت نظر کرے گا جن کی قرآن شریف میں زبان مبارک

پر خبر دی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمائی ہیں اور نیز اُن حالات کا ذکر جنکی بابت آخر زمانہ میں واقع ہونیکی خبر دی ہے، سوچے سمجھے گا تو بالضرور اُسی کو یہ علم یقینی حاصل ہو جائیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ طور جو وراء طور عقل ہے۔ بدرجہ[1] کمال حاصل تھا۔ اور آپ کے لئے وہ دیدۂ دل کشادہ تھیں جن سے وہ امور غیب اور خواص عبادات دریافت ہو سکتے ہیں جنکو عقل دریافت نہیں کر سکتی اور یہی طریق مستقیم اس علم ضروری کے حاصل کرنے کا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق اور سچے رسول تھے۔

پس اب تجربہ کیجیے اور احادیث کا مطالعہ کریئے اور قرآن شریف کو غور سے پڑھیے[2] ان امور مذکورہ بالا سے صداقت نبوت مشہود وعیان و مستغنی از بیان ہو جائے گی اور جو متفلسف ہو۔ یعنی اسلام کا دعویٰ کر کر دینیات میں فلسفہ کے قولوں پر چلے اُس کے لئے اسی قدر تنبیہہ و اطلاع کافی ہے اور اس زمانہ میں اس کی سخت حاجت[3] اور بہت ضرورت ہے۔ چوتھا سبب ضعف ایمان کا وہ ہے جو عوام میں بد سیرتی علماء ظاہر یعنے عالم بے عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس مرض کے دور کرنے کے تین علاج

---

[1] اور ایسا نہ پہلے کبھی کسی کو حاصل تھا نہ حاصل ہوگا [2] اور کاملین صوفیہ اور روشن ضمیر درویشوں سے ملیے جو اکثر نا پریشان حالت اور سادہ صورت میں مثل عوام کے رہتے ہیں اور درحقیقت یکتہ کار اور انسان کامل ہیں [3] اور اس زمانہ میں بھی انکی سخت ضرورت ہے ۱۲ مترجم

ہیں ایک یہ ہے کہ جب کسی کو کسی عالم ظاہری کی نسبت یہ معلوم ہو کہ وہ حرام کا مال کھاتا ہے۔ تو اس سے خود اس کو حرام کھانے پر جرأت نہیں کرنی چاہیے اور یہ نہ جاننا چاہیے کہ وہ اس کا حرام کھانا نہیں جانتا۔ جبکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کا حال ایسا ہے جیسا کوئی شخص شراب اور سود کا حرام ہونا بلکہ غیبت اور کذب اور چغلی کا حرام ہونا جانتا ہے۔ پھر وہ یہ کام کرتا ہے۔ مگر یہ کرنا اس کا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان امور کے گناہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ اس وجہ سے کہ شہوت کا غلبہ اس پر ہے اور اس غلبہ شہوت ونفس سے اس سے یہ کام ہوتے ہیں۔ جس طرح اس شخص کی شہوت کا غلبہ ہے اسی طرح اس عالم کی شہوت کا غلبہ بھی سمجھ لیجیے۔ مگر اس عالم کا علم اُن باتوں کا جو اور ہیں عامی سے بڑھ کر ہے عامی کو مناسب نہیں ہے کہ صرف اُسی بُرے کام سے اُس کو بُرا سمجھے۔ اور اس پر زیادہ طعن کرے کیا نہیں دیکھا کہ بہت سے مریض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ باوجود اسکے کہ وہ طبیب کو حاذق اور صادق جانتے ہیں مگر پھر ان میووں کو سرد پانی کو بے صبری سے کھا پی لیتے ہیں۔ جن سے وہ طبیب انکو منع کرتا ہے مگر اس سے ثابت یہ نہیں ہوتا کہ وہ مضر نہیں یا طبیب پر ان کا اعتقاد نہیں۔ بلکہ یہ ان کی بے وقوفی اور غلبہ شہوت کا باعث ہے یہ کچھ تھوڑا سا حال علماء ظاہر کی لغزش کا تھا۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ عامی ضعف الایمان سے یہ کہیں کہ تم یہ جان لو کہ عالم نے یہ جان لیا ہے اور گمان کر لیا ہے کہ میرا علم آخرت میں میری شفاعت کرائے گا اور بخشوائیگا۔ اور اس گمان سے وہ اعمال میں تساہل کرتا ہے تو کچھ عجب نہیں ہے کہ ایسا ہو بھی جاوے بلکہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُس علم کے درجے اور فضیلت کی وجہ سے اس کو بخشدے اور گناہ معاف کر دے مگر آپ فرمایئے آپ تو علم بھی نہیں رکھتے ہیں آپ اگر اس عالم کا حال دیکھ کر عمل نہ کریں گے اور عمل کو چھوڑ دیں گے تو ضرور ہلاک ہو جائیں گے اور کوئی شفیع آپ کا نہ ہوگا۔

تیسرا علاج یہ ہے جو درحقیقت اچھا ہے اس بات کو جاننا چاہیئے کہ عالم حقیقی بجز اس کے کہ اس سے لغزش ہو جائے گناہ کبیرہ تا بمقدور نہیں کرتا۔ اور گناہوں پر اصرار نہیں کرتا کیونکہ وہ عالم حقیقی یہ جانتا ہے کہ معصیت سم قاتل ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے جو کوئی یہ جان لے گا اعلےٰ کو ادنیٰ کے عوض نہ بیچے گا مگر یہ علم اُن علموں سے حاصل نہیں ہوتا جنمیں اکثر لوگ مشغول رہتے ہیں بلکہ ان علوم سے معصیت پر اور جرأت ہو جاتی ہے اور علم حقیقی کے عالم پر خشیت اور خوف ورجا زیادہ ہوتی ہیں اور یہی خوف ورجا اُس عالم کو گناہوں سے بچاتے ہیں اور اس کے اور گناہوں کے درمیان میں ایک سد ہو جاتے ہیں

مگر ہاں ہفوات یعنی لغزشوں سے وہ عالم بھی نہیں بچ سکتا ہے کیونکہ بشریت سے خالی نہیں اور معصوم نہیں۔ مگر یہ لغزش اس کے ایمان میں ضعف ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مومن مفتن تواب ہوتا ہے یعنی اس کا امتحان کیا جاتا ہے اور وہ پھر اُسی طرف پھرتا ہے گناہ پر کبھی اصرار نہیں کرتا۔ نرم دل ہوتا ہے اور خدا کی طرف ہر دم رجوع رکھتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو مذمت فلسفہ جو مذمت فلسفہ اور مذمت فلسفہ اور تعلیمین۔ اور ان کی آفتوں کے باب میں اور اس شخص کی آفتوں کے باب میں جو نامناسب طریقہ سے اُن کا رد کرتا ہے بیان کرنے کا میرا ارادہ تھا۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو اُن لوگوں کا گفش بردار کرے جن کو اُس نے برگزیدہ اور پسندیدہ کیا ہے اور راہِ حق پر چلایا ہے اور ایسا اپنے ذکر میں اُن کو رکھا ہے کہ پھر وہ اس کو کبھی نہیں بھولے اور شر نفس سے ایسا بچایا ہے کہ اُن پر پھر اُس کا اثر نہیں ہوا۔ اور بندگیٔ نفس سے ایسا چھوڑا دیا ہے کہ انہوں نے سوائے اُس کے اور کسی کی عبادت نہیں کی۔

الحمد للہ کہ یہ لکچر امام غزالی رح نمبر اوّل ترجمہ رسالہ منقذ من الضلال تمام ہوا

حضرت امام غزالی کا خط

اپنے

ایک شاگرد کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہِ ربِّ العٰلمین ۝ والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ رسولِہٖ وخیرِ خلقِہٖ محمّدٍ وّاٰلِہٖ وصحبِہِ الطیّبینَ الطّاہرینَ ۔ اما بعد

حضرت امام حجۃ الاسلام محمد بن الغزالی قدس سرہ العزیز کے ایک شاگرد برسوں آپ کی خدمت میں رہ کر فارغ التحصیل ہو چکے تو اُن کو اک دن یہ فکر پیدا ہوا کہ میں نے ایک عمر تحصیل علم میں صرف کر دی ۔ لیکن میں نے یہ نجانا کہ کونسا علم نافع ہے جو قبر اور میدانِ حشر میں میرے لئے مفید اور دستگیر ہو سکتا ہے اور کونسا علم غیر مفید ہے جس سے مجھ کو احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے نعوذ باللہ من علم لا ینفع ۔ ہم خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں علم غیر نافع سے ۔ ایک مدت وہ اسی خلجان میں رہے بالآخر انہوں نے اپنے استاذ حضرت امام محمد رح سے اس کے متعلق استفسار کیا اور چند

مسائل اور بھی پوچھے اور یہ بھی لکھا کہ اگرچہ آپ کی تصنیفات مثل احیاء العلوم و کیمیا ئے سعادت و جواہر القرآن و معیار العلم و میزان العمل و قسطاس المستقیم و معارج القدس و منہاج العابدین وغیرہ سے میرے سوال کا جواب مل سکتا ہے لیکن میں خاص طور سے ایک مختصر سا جواب چاہتا ہوں جسکو ہمیشہ پیش نظر رکھ عمل کرتا رہوں۔

امام صاحب نے اُن کے جواب میں لکھا کہ بیٹا خدا تمہاری عمر دراز کرے اور تمکو اپنے احباب کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولین و آخرین کے لیے نصیحتوں کا ایک دفتر موجود ہے جو آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ہے اگر تمکو اسمیں سے کچھ پہنچا ہے تو میری نصیحت کی تمہیں کیا ضرورت ہے اور اگر نہیں پہنچا ہے تو بتلاؤ کہ تم نے اتنی طویل مدت میں کیا حاصل کیا۔ بیٹا۔ اُن تمام نصائح میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم کو فرمائی ہیں۔ صرف یہ فرما دینا کہ

علامة اعراض اللہ تعالیٰ عن العبد اشتغالہ بما لا یعنیہ وان امرءً ذھبت ساعة من عمرہ فی غیر ما خلق لہ لحریٌ ان تطول علیہ حسرة۔ ومن جاوز الاربعین ولم یغلب خیرہ شرہ فلیتجہز الی النار۔

بندہ کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا علامت خاص ہے اسکی کہ خدا تعالیٰ نے اسکی طرف سے اپنی نظر عنایت پھیرلی ہے اور جس کام کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اگر اُس کے سوا کسی اور کام میں اسکی گھڑی بھی صرف ہو گئی تو بڑی حسرت کا مقام ہے اور جس شخص کا حال چالیس برس کی عمر کے بعد بھی یہ رہا کہ برائیوں پر بھلائیاں نہ ہو ویں تو اس کو دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

یہ صرف تمہارے لئے بلکہ تمام عالم کے لئے نہایت کافی وشافی نصیحت ہے۔
سنو بیٹا، نصیحت کرنا آسان ہے مگر قبول کر کے اُس پر عمل کرنا دشوار، جب ہوا و ہوس غالب ہوتی ہے تو نصیحت نہایت تلخ معلوم ہوا کرتی ہے خاص کر اُن کو جو بیہودی علوم و فنون حاصل کرتے میں مشغول رہتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فقط علم حاصل کر لینا ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ عمل کی کچھ ضرورت نہیں، حالانکہ یہ بہت بڑا اعتقاد اور فلاسفہ مذہب کا ہے سبحان اللہ اتنا تو تم جانتے ہو کہ جو شخص علم حاصل کر کے اس پر عمل نہ کرے اس پر خدا تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تو کیا یہ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہٖ۔	قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم سے کچھ نفع نہ پہنچا ہوگا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد کسی نے اُن سے خواب میں پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا

طاحت العبادات وفنیت الاشارات وما نفعنا الا رکیعات رکعنا فی جوف اللیل۔	عبارات واشارات سب بے کار ہو گئے صرف ان چند رکعتوں نے البتہ فائدہ دیا جو تہجد کے وقت پڑھ لیا کرتا تھا۔

تو بیٹا، اعمال اور احوال فاضلہ سے تہیدست نہ رہنا چاہیئے اور خوب یقین کر لینا چاہیئے کہ فقط علم بدون عمل کے ہرگز دستگیری نہیں کر سکتا۔ دیکھو کسی مسلح اور جنگ آزمودہ سپاہی کے سامنے میدان میں اگر شیر آجاوے تو بدون

ہتھیار سے کام لئے وہ شیر سے بچ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ یا کوئی شخص صفراوی بخار میں مبتلا ہے اور جانتا ہے کہ سکنجبین اور آرش جواس کو مفید ہوگا تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ بدوں استعمال کئے اسکو نفع ہو جائے گا ہرگز نہیں۔ اسیطرح علم کتنا ہی وسیع اور کثیر ہو جب تک تم اس پر عمل نہ کروگے۔ مفید نہیں ہوگا۔

گر مئے دو ہزار رطل از و پیمائی   تامے نخوری نباشدت شیدائی

بہت سا پڑھ لینا اور بڑی بڑی کتابوں کا جمع کر لینا اور اُس پر عمل نہ کرنا فائدہ نہیں دے سکتا۔ جبتک تم اپنے آپ کو اعمال صالحہ سے رحمت خداوندی کا مستحق نہ بناوگے وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوگی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔ انسان کو بدوں سعی کے کچھ نہیں ملسکتا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ فمن کان یرجو لقاءَ ربہٖ فلیعمل عملاً صالحًا۔ جس کو خداتعالیٰ سے ملنے کی امید ہے اسکو چاہیئے کہ عمل صالح کرے (۳) جزآءً بما کانوا یعملون یہ اس کا بدلہ ہے جو تم کرتے ہو (۴) ان الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کانت لھم جنت الفردوس نزلاً خلدین فیھا۔ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کی مہمانی جنات فردوس میں ہے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بنی الاسلام علی خمسۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اول اس بات کی گواہی دینا کہ سوائے خداتعالیٰ کے کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسرے نماز پڑھنا۔ تیسرے زکوٰۃ

دنیا۔ چوتھے رمضان کے روزے رکھنا۔ پانچویں بشرط استطاعت حج کرنا دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ الایمان اقرار باللسان و تصدیق بالجنان و عمل بالارکان ایمان زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا اور اعضاء عمل کرنا ہے بالجملہ اعمال کی ضرورت بیشمار دلائل سے ثابت ہے۔ تم میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھ لینا کہ نجات صرف عمل ہی پر منحصر ہے خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کی کچھ حاجت نہیں العیاذ باللہ۔ میری غرض یہ ہے کہ بیشک بندہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی نجات پاتا ہے مگر وہ جبتک اپنے آپ کو مستحق نہیں بنا لیتا رحمت الہٰی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ ان رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نکوکاروں سے قریب ہے اور جب رحمت الہٰی بندہ تک نہ پہنچی تو بہشت میں اس کا داخل ہونا ناممکن۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ مجرد ایمان بہشت میں داخل ہونے کے لیے کافی ہے میں بھی کہتا ہوں کہ بے شک کافی ہے۔ لیکن اس کو بہشت میں پہنچنے سے پہلے ہزاروں دشوار گذار گھاٹیوں کا طے کرنا پڑے گا اور جب وہ بہشت میں پہنچے گا تو مفلس ہوگا۔

تم یقین جانو کہ جب تک کام نہ کرو گے مزدوری نہیں مل سکتی۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا عابد و مخلص تھا۔ حق تعالیٰ نے اس کے اخلاص کو فرشتوں پر ظاہر فرمانا چاہا تو ایک فرشتہ کو اس کے پاس بھیج کر یہ کہلا دیا کہ میاں تم فضول محنت و زحمت اٹھاتے ہو تمہارے لئے تو دوزخ مقرر ہو چکی ہے

عابد نے یہ سن کر جواب دیا کہ میں تو فرضِ بندگی ادا کرتا ہوں اور کئے جاؤں گا اور وہ جانیں اور اُن کی آقائی اور خداوندی فرشتہ نے درگاہ رب العزت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جو جواب اس نے دیا ہے اس سے حضور خود آگاہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ وہ کم حوصلہ ہو کر بھی ہم سے نہیں پھرتا تو ہم کریم ہو کر اس سے کیسے پھر سکتے ہیں تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں حاسبوا قبل ان تحاسبوا وزنوا قبل ان توزنوا تم محاسبہ قیامت سے پہلے دنیا ہی میں اپنا محاسبہ کر لو اور وزن اعمال سے پہلے ہی اپنے اعمال جانچ لو۔

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ من ظن انہ بدون الجہد یصل الی الجنۃ فھو متمن ومن ظن انہ ببذل الجھد یصل فھو متعن جس نے یہ گمان کیا کہ وہ بدون کوشش کے جنت میں پہنچ جائے گا وہ ہوس کار ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ وہ محض سعی و کوشش ہی سے جنت میں پہنچ جاوے گا وہ مشقت و تعب میں پڑا ہوا ہے۔ حضرت حسن بصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ طلب الجنۃ بلا عمل ذنب من الذنوب۔ بلا عمل کے جنت کی آرزو کرنا ایک طرح کا گناہ ہے ایک بزرگ نے کیا اچھا فرمایا ہے الحقیقۃ ترک ملاحظۃ العمل لا ترک العمل علم حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے مگر اس پر فریفتہ نہ ہو یہ نہیں کہ سرے سے عمل ہی چھوڑ بیٹھے۔ ان سب سے اچھا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ۔ بڑا سمجھدار وہ

ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع و منقاد بنا لیا اور سخت احمق وہ ہے جو خود اپنے نفس و خواہش کا مطیع و منقاد بن گیا اور پھر خدا تعالیٰ سے بڑے بڑے انعام کی تمنا رکھنے لگا۔

اگر تم نے تحصیل علم میں اس لئے محنت شاقہ اٹھائی تھی کہ دنیاوی عزت و دولت حاصل ہو جائے تو تم پر افسوس اور پھر افسوس، اور اگر تہذیب اخلاق اور ادائے شریعت محمدی کے لئے برداشت کی تھی تو تم پر آفرین ہزار آفرین کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

سھر العیون لغیر وجھک ضائع ۔ وبکاء ھن بغیر فقدک باطل

آپ کا چہرہ مبارک چھوڑ کر دوسروں کے نظارہ کے لئے جاگنا فضول ہے اور آپ کے سوا دوسروں کے فراق میں رونا رائیگاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عِش مَا شِئتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اَحبِب مَا شِئتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ وَاعمَلْ مَا شِئتَ فَاِنَّکَ مَجزِیٌّ بِہٖ۔ جبتک دنیا میں جی چاہے رہ لے آخر ایک دن تجھے مرنا ضروری ہے۔ اور جس سے چاہے محبت کر لے آخر اس سے جدائی لازمی ہے اور جو جی چاہے عمل کرلے بدلہ اُس کا ضرور مل کر رہے گا۔

تم کو علم کلام مناظرہ دواوین اشعار نجوم نحو، صرف وغیرہ وغیرہ کی تحصیل سے بجز تضیع عمر کے کیا فائدہ۔ بخدا میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ مردہ کو جنازہ پر رکھنے سے تا لب گور لے جانے تک حق تعالیٰ آپ ہی آپ اس سے چالیس سوال کرتا ہے جنمیں پہلا سوال یہ ہے۔ عبدی قد طھرت منظر الخلق سنین فھل طھرت منظری ساعۃ تو لوگوں کے دکھانے کو

تو برسوں نہایت صاف ستھرا بنا رہا کبھی میرے لئے بھی صاف ستھرا بنا تھا۔
اور وہ ہر روز تمہارے دل میں یہ کہتا ہے ما تفضح بخیری وانت محفوت
بخیری تجھے غیر سے کیا واسطہ جبکہ تو سراپا میرے احسانوں میں ڈوبا ہوا ہے
لیکن تم بہرے ہو اس لئے اس آواز کو نہیں سنتے۔ سنو بیٹا۔ علم بے عمل دیوانگی
ہے اور عمل بے علم بیگانگی۔ جو علم آج تمکو گناہوں سے نہیں روکتا اور عبادت
کی طرف متوجہ نہیں کرتا یاد رکھو کہ وہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ سے
بھی تم کو نہیں بچا سکتا۔ اگر تم آج عمل کر کے عمر گذشتہ کی تلافی نہ کروگے
تو کل قیامت کے دن چلاؤگے اور کہوگے فارجعنا نعمل صالحا۔ آپ ہم کو
پھر دنیا میں لوٹا دیجئے تاکہ عمل صالح کریں۔ جواب ملے گا۔ احمق تو تو وہیں سے
آرہا ہے اب تک کیا کیا تھا جو آئندہ کرے گا۔ دیکھو ایک دن مرنا اور
قبرستان ضروری ہے۔ مُردے تمہارے ہر لحظہ منتظر ہیں خبردار خالی ہاتھ
نہ جانا۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں ھذہ الاجساد تفض الطیور او
اصطبل الدواب۔ یہ بدن یا تو ہلکے پھلکے پرندوں کے پنجرے ہیں یا چار
پایوں کے اصطبل۔ تو غور کرو کہ تم کن میں اگر تم مرغ آشیاں ہو تو کوئی ارجعی
کی آواز سنتے ہی اڑ کر بلند مقام پر بیٹھ جاؤگے۔ اھتز عرش الرحمن
لموت سعد بن معاذ سعد ابن معاذ کے موت سے عرش خداوندی جھومنے لگا۔

اور اگر تم چار پایوں میں ہو العیاذ باللہ تو یقین کر لو کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ
ہے۔ اولئک کالانعام بل اھم اضل وہ چار پائے ہیں بلکہ ان سے بھی
زیادہ گمراہ۔ منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو سرد

پانی دیا گیا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی آہ منہ سے نکلی اور بیہوش ہو گئے جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے پوچھا حضرت آپ کا کیا حال ہو گیا فرمانے لگے۔ ذکرت امنیۃ اھل النار حین یقول لاھل الجنۃ اَنْ اَفِیضُوا علینا مِن الماءِ مجھے دوزخیوں کی آرزو یاد آگئی جبکہ وہ بہشتیوں سے کہیں گے ہمیں ذرا سا پانی پلا دو۔

بیٹا اگر تم کو فقط علم کافی ہوتا اور عمل کی حاجت نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ کا ہر شب پچھلے پہر ھل من سائل ھل من تائب ھل من مستغفر پکارنا بیکار ہو جاتا۔ کوئی ہے مانگنے والا۔ کوئی ہے توبہ کرنے والا۔ کوئی ہے معافی چاہنے والا۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر خیر آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ نِعمَ الرجُلُ ھو لو یُصلّی فی اللیل۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے کاش وہ تہجد کی نماز پڑھتا حضور والا نے ایک صحابی سے فرمایا۔ لا تُکثِرِ النومَ باللیل فانّ کثرۃ النوم باللیل تدع صاحبہ فقیرا یوم القیمۃ رات کو زیادہ مت سویا کرو کیونکہ رات کے وقت زیادہ سونے والا قیامت کے دن تہیدست ہو گا۔

ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک امر ہے وبالاسحار ھم یستغفرون شکر ہے والمستغفرین بالاسحار۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ثلثۃ اصوات یحبھا اللہ تعالیٰ صوت الدیک وصوت الذی یقرء القرآن وصوت المستغفرین بالاسحار خدا تعالیٰ کو تین آوازیں پسند ہیں۔ ایک مرغ سحر کی۔ دوسری قرآن پڑھنے والے کی۔ تیسری پچھلے پہر معافی مانگنے والوں کی حضرت

سفیان ثوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں ان اللہ تعالیٰ ریحا تھبُّ وقت الاسحار تحمل الاذکار والاستغفار الی الملک الجبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہوا اس کام پر مامور ہے کہ وہ پچھلے پہر ذکر و استغفار کی آواز خدا تعالیٰ تک پہونچاتی ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں اذا کان اول اللیل نادی مناد تحت العرش الا لیقم العابدون فیقومون ویصلون ما شاء اللہ ثم ینادی مناد فی شطر اللیل الا لیقم القانتون فیقومون ویصلون الی السحر فاذا کان السحر ینادی مناد الا لیقم المستغفرون فیقومون ویستغفرون فاذا طلع الفجر نادی مناد الا لیقم الغافلون فیقومون من فرشھم کالموتی نشروا من قبورھم۔ شروع شب میں ایک منادی عرش کے نیچے سے پکارتا ہے کہ عبادت کرنے والوں کو اُٹھ جانا چاہیئے، تو وہ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جب تک خدا تعالیٰ چاہتا ہے نماز پڑھتے ہیں۔ پھر نصف شب میں ایک منادی پکارتا ہے کہ باادب فرماں برداروں کو اٹھ جانا چاہیئے تو وہ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں، جب صبح صادق ہو جاتی ہے تو ایک منادی پکارتا ہے کہ غافلوں کو اُٹھ جانا چاہیئے، تو وہ اپنے بستروں سے اس طرح اُٹھتے ہیں۔ جیسے مُردے قبروں سے۔

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو یوں نصیحت فرماتے تھے۔ یا بنی لا تکونن الدیک اکیس منک ینادی بالاسحار وانت نائم۔ دیکھو بیٹا۔ مُرغ ہوشیاری میں تم سے بڑھنے نہ پائے۔ کہ وہ تو آخر میں خدا کو یاد کرے اور تم سوتے رہو کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

لقد هتفت فی جنح لیل حمامۃٌ | علی فنن وھنًا دانی لنائم
کذبت وبیت اللہ لو کنت عاشقا | لما سبقتنی بالبکاء الحمائمُ
وازعم انی ھائم ذو صبابۃٍ | لربی وکا ابکی وتبکی البھائمُ

رات کو فاختہ تو شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے۔ اور میں پڑا سو رہا ہوں۔ برب کعبہ میں جھوٹا مدعی ہوں۔ اگر میں سچا عاشق ہوتا۔ تو فاختہ رونے میں مجھ سے سبقت نہ لے جاتی۔ افسوس میں تو محبت الٰہی کا مدعی ہو کر آنکھ بھی تر نہ کروں اور بہائم پڑے روتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم کو یہ سمجھ لینا کہ طاعت وعبادت کیا چیز ہے۔ سنو جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کا نام عبادت ہے۔ قولاً وعملاً اوامر میں بھی۔ نواہی میں بھی۔ اگر تم کوئی کام بدون حکم شارع علیہ السلام کے۔ اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔ دیکھو نماز کیسی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر اوقات مکروہہ میں یا زمین غصب میں اس کا پڑھنا گناہ ہے۔ اسیطرح روزہ فی نفسہ عمدہ عبادت ہے مگر ایام عید و تشریق میں رکھنا گناہ ہے اس لئے کہ حکم شارع علیہ السلام کے خلاف ہے لہو ولعب کچھ اچھی چیز نہیں مگر اپنی بی بی کے ساتھ کرنا باعث اجر ہے کیونکہ بحکم شارع علیہ السلام ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ عبادت کی حقیقت فرمانبرداری ہے نہ محض نماز روزہ۔ کیونکہ نماز روزہ بھی اُسی وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے جبکہ وہ بحکم شارع علیہ السلام ہو۔ تو بیٹا تمہارے احوال واقوال کو شریعت کا تابع ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ کوئی علم وعمل بدون اجازت شارع علیہ السلام

کے سراسر گمراہی اور خداوند تعالیٰ سے بُعد کا سبب ہے. لہذا تم کو چاہیئے کہ بلا اجازت شارع علیہ السلام کے بات بھی نہ کرو اور یقین کر لو کہ خدا تعالیٰ کا راستہ ان علوم دنیاوی سے جو تم نے حاصل کیے ہیں اور صوفیان زمانہ کے خوشنما دعووں اور طرح کاریوں سے طے نہیں ہو سکتا. بلکہ تیغ مجاہدہ سے ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشوں کو قطع کر دینے سے۔

خدا تعالیٰ کو لمبی چوڑی باتیں اور نکات باریک اور اوقات عمر تیرہ و تاریک ہرگز پسند نہیں. زبان رواں اور شستہ اور دل غفلت و خواہش سے وابستہ بدبختی کی علامت ہے. جبتک نفس و خواہش مجاہدات قوبہ سے مقہور و تابع شریعۃ نہ ہو جاویں گے دل انوار معرفت سے زندہ نہیں ہو سکتا

تم نے چند مسئلے بھی پوچھے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کا جواب تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتا. جب اس مقام تک تم کو رسائی ہو جائے گی تو خود سمجھ لو گے ورنہ ان کا جاننا محالات سے ہے اس لئے کہ ان کو ذوق و وجدان سے تعلق ہے اور ایسی باتیں تیز تحریر و تقریر کی متحمل نہیں ہو سکیتں۔

شیرینی و تلخی و لذت جماع کی کیفیت اگر کوئی کسی کو سمجھانا چاہے تو بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ چکھو دیکھو یا ایںہمہ جس قدر ان مسائل کے جواب میں کہا جا سکتا ہے وہ ہماری تصانیف مثل احیاء العلوم وغیرہ میں موجود ہے اس کو دیکھ لو. یہاں بھی کچھ اشارۃً ہم بیان کرتے ہیں۔

تم نے پوچھا کہ سالکان راہ خدا تعالیٰ پر کیا واجب ہے تو سنو اوّل اعتقاد پاک جس میں شائبہ بھی بدعت کا نہ ہو دوسرے سچی توبہ کہ پھر گناہ کے

پاس بھی نہ پھٹکے۔ تیسرے تمام مخلوق سے خواہ دوست ہو یا دشمن ایسا معاملہ کرے کہ کسی کا حق اس پر نہ رہ جائے۔ چوتھے علم شریعت سے اتنا حاصل کرے جس سے جائز و ناجائز کا علم اسکو ہو جائے اور باقی علوم سے اتنا جس کو اسکی نجات و خلاص میں دخل ہو۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار استادوں کی خدمت میں رہ کر چار ہزار حدیثیں پڑھی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک حدیث کو عمل کے واسطے منتخب کر لیا ہے کیونکہ وہ ایک حدیث میری نجات و خلاص کے لئے کافی ہے اور اولین و آخرین کے علوم اسمیں مندرج ہیں وہ حدیث یہ ہے۔ اعمل الدنیا بقدر مقامك فیھا واعمل للاخرتك بقدر بقائك فیھا واعمل اللہ بقدر حاجتك الیه واعمل للنار بقدر صبرك علیھا۔ دنیا کے لئے اتنا کام کر جتنا کہ تو اسمیں رہے گا اور آخرت کے لئے اتنا کام کر جتنا تیرا رہنا وہاں مقدر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے واسطے اتنا کام کر جتنا کہ تو اس کا محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا کہ تو اسکی تکالیف پر صبر کر سکتا ہے۔

تم کو اس حدیث سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ تم کو بہت بڑا عالم متبحر بننے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں۔ اس حکایت کو غور سے سنو۔ تاکہ تمہیں میرے کہنے کا یقین ہو جائے۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے شاگرد و مرید حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تم کتنی مدت سے میرے پاس رہتے ہو۔ عرض کیا کہ تینتیس ۳۳ برس سے۔ پوچھا کہ تم نے اس مدت میں کتنے علوم اور کیا کیا

فائدے حاصل کیے۔ جواب دیا کہ صرف آٹھ فائدے اور یہی علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے انا للہ وانا الیہ راجعون میں نے تو تمہاری تعلیم میں ایک عمر صرف کر دی اور تم نے صرف اتنا ہی حاصل کیا۔ حاتم نے عرض کیا حضرت اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو میری تحصیل صرف اسی قدر ہے جو عرض کی اور اس سے زیادہ حاصل کرنے کی مجھے خواہش بھی نہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اسی قدر میری نجات کے لئے کافی ہے اور اس سے زیادہ فضول۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیان تو کرو وہ آٹھ فائدے کیا کیا ہیں۔ کہا اول یہ کہ میں نے دیکھا دنیا میں ہر شخص کو کوئی چیز محبوب و مرغوب ہوتی ہے ان میں سے کوئی تو مرض الموت تک اس کا ساتھ دیتی ہے اور کوئی قبر تک۔ میں نے سوچ سمجھ کر اپنا محبوب پسند کیا جو مرنے کے بعد قبر میں بھی مونس و غمگسار رہے تو وہ عمل صالح ہے حضرت شقیقؒ نے فرمایا احسنتَ۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دنیا میں سبکو نفس و خواہش کا تابع دیکھا۔ جب یہ آیۃ شریف میری نظر سے گزری واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی (جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو اسکی خواہش سے روکا تو پھر جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے) تو مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن مجید سراسر حق ہے۔ پس میں نے نفس کے مجاہدہ کے شکنجہ میں ایسا کھینچا کہ اس کے سارے بل نکل گئے یہاں تک کہ وہ بیچون و چرا طاعت حق میں مطمئن ہو گیا۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا بارک اللہ علیک۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا دنیا کے لوگ بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر

سامان دنیا میں سے کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے دل میں بڑے خوش ہوتے ہیں کہ گویا کوئی نفیس و عجیب چیز حاصل کر لی۔ مجھے جو یہ آیۃ نظر پڑی ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق جو کچھ تمہارے پاس ہے نبڑ جانے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سدا رہنے والا ہے کبھی فنا ہونے والا نہیں) تو میں نے اپنے برسوں کا اندوختہ خدا تعالیٰ کی راہ میں فقرا کو دے کر خدا تعالیٰ کے ہاں امانت رکھ دیا اس امید پر کہ وہاں وہ باقی رہے گا اور آخرت کے راستہ میں میرا رہنما ہوگا۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم نے خوب کیا۔ چوتھا فائدہ یہ کہ دنیا میں کوئی اس پر فخر کرتا ہے کہ میرے پاس مال و اولاد بہت ہیں، کوئی اس پر اتراتا ہے کہ میں بڑا شہزور اور سفاک اور خونریز ہوں وغیرہ وغیرہ۔

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ میں نے جو اس آیت کو پڑھا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (یقیناً خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) تو یقین کر لیا کہ خدا تعالیٰ کا فرمانا سچ ہے اور دنیا دار دل کے خیالات سراسر خطا ہیں۔ پس میں نے تقویٰ اختیار کیا تاکہ مجھے حق تعالیٰ کی درگاہ میں عزت حاصل ہو۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا احسنت۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو ازراہ حسد ایک دوسرے کی برائی کرتے دیکھا۔ کسی کو کسی کے جاہ و مرتبہ پر حسد ہے کسی کو کسی کے علم و فضل پر۔ میں نے جب یہ آیت پڑھی نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا ہم نے ہی سامان عیش و زندگی کو انہیں تقسیم کیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ ہر ایک مقدر و مقسوم روز ازل سے ہی الگ الگ ہے کسی کو اس میں اختیار نہیں

اور قسمت خداوندی پر راضی ہو گیا پھر مجھے کسی پر حسد نہ ہوا بلکہ میری سارے جہان سے صلح ہو گئی۔ حضرت شقیق رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تم نے بڑا اچھا کام کیا چھٹا فائدہ یہ کہ دنیا میں کسی سبب یا غرض سے اکثر ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہ دیکھ کر ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اسکو دشمن یقین کر لیا کہ قرآن مجید یہ فرماتا ہے کہ سوائے شیطان اور اتباع شیطان کے کسی کو دشمن نہ ماننا چاہیئے تو میں نے اس کو دشمن سمجھ کر ہر بات میں اسکی نافرمانی کی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں مشغول ہو گیا اور سمجھ گیا کہ راستہ سیدھا یہی ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان انه لکم عدو مبین وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم۔ اے بنی آدم کیا میں نے تم کو پہلے سے نہیں کہہ دیا تھا کہ تم شیطان کا کہنا مت مانو وہ بے شک تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے اور میری ہی فرمانبرداری کیجو یہی سیدھا راستہ ہے۔ حضرت شقیق رح نے فرمایا کہ تم نے خوب کیا۔ ساتواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو روزی اور سامان زندگی بہم پہنچانے میں کوششیں کرنے اور حرام و شبہات میں پڑ کر اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتے دیکھا تو میری نظر اس آیت پر پڑی وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ زمین پر جو چیز متحرک ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ میں سمجھ گیا کہ میں بھی انہیں چیزوں داخل ہوں جن کے رزق کا کفیل حق تعالیٰ ہے۔ پس میں بے فکر ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ حضرت شقیق رح نے فرمایا تم نے خوب کیا۔ آٹھواں

فائدہ یہ کہ میں نے کسی نہ کسی چیز پر لوگوں کو بھروسہ کرتے دیکھا. کوئی مال و دولت پر بھروسہ رکھتا ہے کوئی حرفہ و صناعت پر کوئی آپ جیسی مخلوق پر. میں نے اس پر غور کیا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ جس نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو وہ اُس کے لئے کافی ہے تو میں نے سب کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لیا اور وہی میرے لئے کافی اور اچھا کارساز ہے. حضرت شقیق نے فرمایا حاتم کو خدا تعالیٰ توفیق دے تم نے بہت اچھا کیا. میں نے توراۃ و انجیل و زبور و قرآن کو دیکھا تو ان کی پند و نصائح کا بھی انہیں آٹھ فائدوں پر مدار ہے جس نے ان پر عمل کر لیا گویا ان چار کتابوں پر عمل کر لیا. اس قصہ سے بھی تمکو معلوم ہو گیا ہوگا کہ تم کو بہت سے علم کی حاجت نہیں.

چار باتیں تو بیان کر چکے جو سالک پر واجب ہیں. پانچویں یہ ہے کہ سالک کو ایک مربی و مرشد کی ضرورت ہے جو اسکی بری عادتیں چھڑانے اور ان کی جگہ اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرے. مرشد کی مثال کسان کی سی ہے جو کھیت کو نولاتا ہے. مضر چیزوں سے صاف کر کے پانی دیتا ہے تاکہ کھیتی خوب بڑھے پھولے اور پھلے تو سالک کو ایسی ہی پیر و مرشد کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمامی پیغمبران علیہم السلام کو آخر میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی رہنمائی اور اصلاح معاش و معاد کے لیے بھیجا تھا چنانچہ انھوں نے اپنی زندگی میں جیسی کوشش کی ہیں ان کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کافر مشرک بدمعاش بدخلق سفاک رہزن آپ کے فیض تربیت سے کیا سے کیا ہو گئے. جب آپ نے رحلت فرمائی تو وہی کام آپ کے

خلیفوں اور نائبوں نے کیا اور یہی سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا تو سالک کو ایسے ہی پیر کی حاجت ہے جو پیغمبروں کی خلافت دنیابت کے فرائض ادا کرتا ہے پیر و مرشد کے لئے عالم ہونا تو ضروری ہے لیکن ہر عالم پیر بننے کی قابلیت نہیں رکھتا، بلکہ اس کام کے قابل ہونے کی چند علامتیں ہیں جن کو ہم مجملاً بیان کرتے ہیں تاکہ ہر بوالہوس پیر و مرشد ہونے کا دعوے نہ کرنے لگے۔ اس کے دل میں جاہ و مال کی محبت نہ ہو ایسے صاحب بصیرت کا متبع ہو جس کی متابعت کا طریقہ ورابطہ ارباب بصیرت کے ذریعہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل پہنچتا ہو۔ ہر طرح کی ریاضتیں کی ہوں۔ جیسے کم کھانا کم سونا کم بولنا نمازیں بہت پڑھنا صدقہ کثرت سے دینا روزے بہت رکھنا اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ اس میں راسخ ہوگئے ہوں جیسے صبر و شکر توکل یقین طمانیت سخاوت قناعت امانت بذل مال حلم تواضع دانائی صدق وقار حیا سکون وغیرہ وغیرہ مشکوٰۃ نبوۃ سے اس نے نور ضیا حاصل کی ہو۔ اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو جیسے تکبر بخل کینہ حرص طول امل حب دنیا سبکری خفت عقل وغیرہ وغیرہ کسی علم کا بجز علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج نہ ہو۔ قولاً و عملاً شریعت کا پابند ہو۔ بدعات سے نفرت اور سنت سے رغبت رکھتا ہو۔ یہ چند علامتیں پیر طریقت کی جو ہم نے بیان کی ہیں اگر کسی میں پائی جاویں تو اسکی اقتدا کرنا چاہیئے اور اس کی صحبت کو منجملہ مغتنمات و انعامات خداوندی سمجھنا چاہیئے مگر ایسا پیر کم دستیاب ہوتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں مدعیان جعلی پیدا ہو گئے ہیں جو لغو اور فضول مشاغل میں مریدوں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اور بعض بیدین بیباک قید شریعت کے سے آزاد، پیر بن کر خلق اللہ کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں، اور جو واقعی سچے مرشد ہیں وہ گوشہ نشین اور نگاہ خلق سے مستور ہیں، تو جس شخص کو ایسا سچا مرشد

جس کی کچھ علامتیں ہم نے اوپر بیان کی ہیں خوش قسمتی سے ملجاوے اُسی کو اپنا پیر بنادے اور ظاہر و باطن سے اس کا اکرام و احترام کرے۔ احترام ظاہری یہ ہے کہ اس سے کسی بات میں حجت اور جھگڑا نہ کرے اور اگر کبھی کسی مسئلہ میں اس سے خطا سرزد ہوتی دیکھے تو اس پر انکار نہ کرے کیونکہ خطا و نسیان سے کوئی بشر پاک نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پاس اس کی کوئی تاویل ہو یا وہ کوئی عذر قوی رکھتا ہے جس سے یہ ناواقف ہے۔ اپنے پیر کے سامنے عبادت کے لئے مصلا نہ بچھائے۔ ہاں اگر مرید کو امامت کا اتفاق ہوا ہے تو نماز سے فارغ ہو کر فوراً اپنی جانماز پیچھے ہٹالے۔ پیر کے سامنے بہت نوافل نہ پڑھے حتی الامکان اس کے احکام کی تعمیل کرے۔ اس کو کبھی سجدہ نہ کرے کیونکہ یہ کفر ہے اور خلاف شریعت کوئی کام نہ کرے کہ یہ الحاد ہے اور جو پیر خلاف شریعت کام کرتا ہے یا اس کا روادار ہوتا ہے وہ زندیق ہے۔ احترام باطنی یہ ہے کہ دل سے بھی اس کی کسی بات کا منکر نہ ہو ورنہ نشان نفاق پیدا ہو جاوے گی۔ اور اگر مرید سے یہ نہیں ہو سکتا تو چند سے پیر کی خدمت میں رہنا چھوڑ دے یہاں تک کہ اُس کے دل سے شائبہ انکار مٹ جائے۔

چھٹی بات سالک کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کی دارو گیر کیا کرے اور یہ اس وقت میسر ہوتا ہے۔ جبکہ وہ ہمنشین بد کی صحبت سے بالکلیہ احتراز کرے تاکہ شیاطین جن و انس کا اس پر کچھ بس نہ چلے اور اُس کے نفس کی سلطنت فرد ہو جائے۔ ساتویں یہ کہ ہر حال میں تونگری پر درویشی کو ترجیح دیکر اختیار کرے کیونکہ اس راستہ میں دل کو محبت دنیا سے خالی رکھنا اصل اصول ہے اور دنیاوی ساز و سامان کے ہوتے محبت دنیا سے رہائی شاذ و نادر ہی کسی کو حاصل ہوتی ہے تو اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ سرے سے اسباب دنیوی ہی

کو خیر باد کہہ دے تاکہ دل محبت دنیا سے بالکل فارغ ہو جاوے۔ یہ سات چیزیں اس پر واجب ہیں جو راہ حق کا سالک و طالب ہے۔

تم نے پوچھا ہے کہ تصوف کیا چیز ہے۔ تو سنو تصوف دو چیزوں کا نام ہے ایک خدا تعالیٰ سے سچا معاملہ رکھنا۔ دوسرے مخلوق کے ساتھ نکوکاری اور بردباری کرنا۔ جس میں یہ دونوں باتیں ہیں وہ سچا صوفی ہے۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا معاملہ رکھنے کے یہ معنے ہیں کہ اپنی ہر قسم کی خواہشوں اور لذتوں کو اس کے حکم پر قربان کردے۔ اور مخلوق سے نکوئی کرنے کے یہ معنی ہیں کہ کسیکو اپنے حسب خواہ بنانے کی کوشش نہ کرے بلکہ خود ان سب کے حسب خواہ بنا رہے جبتک کہ ان کی خواہش خلاف شریعت نہ ہو کیونکہ جو شخص خلاف شریعت کرتا ہے یا خلاف شریعت سے راضی ہوتا ہے وہ ہرگز صوفی نہیں اور اگر وہ مدعی تصوف ہے تو جھوٹا مدعی ہے۔

تم نے پوچھا ہے کہ بندگی کسے کہتے ہیں تو سنو بندگی تین چیز کا نام ہے۔ اول احکام شریعت کا لحاظ رکھنا کہ تاکہ امکان بندہ کی کوئی حرکت و سکون خلاف شرع نہ ہونے پاوے۔ دوسرے قضا و قدر و قسمت خداوندی پر راضی ہونا کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است۔ تیسرے اپنے اختیار و خواہش کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے اختیار و خواہش پر رضامند ہونا۔ تم نے پوچھا ہے کہ توکل کیا چیز ہے تو سمجھو کہ توکل اسے کہتے ہیں کہ بندہ کو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر وثوق کامل اور یقین کلی پیدا ہو جاوے یعنی تم کو اس امر کا اعتقاد راسخ ہو جاوے کہ جو چیز تمہاری قسمت میں ہے وہ ضرور تم کو ملے گی۔ اگرچہ سارا جہان اس کے خلاف ہو جاوے اور جو چیز تمہارے مقسوم میں نہیں وہ ہرگز کبھی تمکو نہیں مل سکتی۔ اگرچہ سارا جہان تمہارے ساتھ مل کر کوشش کرے ف

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ اسباب ظاہری محض بیکار ہیں۔ وما خلقنا السموات والارض وما بینھما باطلا ذلک ظن الذین کفروا ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان دونوں کے درمیان کی عبث اور بیکار نہیں پیدا کیا یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو حکمت خداوندی کے منکر ہیں بلکہ امام صاحب رحمۃ اللہ کا یہ مدعا ہے کہ انسان دینی اور دنیوی امور میں اسباب ظاہری کا کاربند تو رہے مگر اُن کو کسی درجہ میں بھی مستقل موثر نہ سمجھے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کی مہمانی قیامت کے دن جنات فردوس ہے۔ تو بندہ کو اس وعدہ خداوندی پر پورا پورا اعتماد و وثوق کرکے ایمان کو کامل اور اعمال کو صالح بنانے میں کوشش کرنی چاہیے یا مثلاً حق تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہے۔ ہم ضرور اُن کی رہنمائی کریں گے تو بندہ کو اس وعدہ پر کامل یقین کرکے مجاہدہ اور سعی کرنی چاہیے۔ یہ نہیں چاہیے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جنت وہدایت کی طمع خام دل میں پکا رتا رہے اسیطرح دنیوی امور میں شریعت کا پابند ہوکر سعی و کوشش کرنی چاہیے اور خدا تعالیٰ کے اس وعدے پر کہ وہ کسی کی سعی کو رائگاں نہیں فرماتا کامل یقین و وثوق رکھنا چاہیے۔ اس مضمون کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ادا کیا ہے۔ برتوکل زانوئے اشتر ببند۔ چنانچہ صفحات گذشتہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول مرقوم ہوچکا ہے۔

تم نے پوچھا ہے کہ اخلاص کس کو کہتے ہیں۔ تو سنو کہ اخلاص یہ ہے کہ تمہارے

سب کام خاص خدا تعالیٰ کے واسطے ہوں۔ جو کام بھی تم کرو اس میں تمہارا دل مخلوق کی طرف اور مخلوق کی مدح و ثنا کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہو اور اُن کی ناپسندیدگی سے تمہارے دل میں کچھ پژمردگی پیدا نہ ہو۔ سنو۔ ریا مخلوق کو بڑا اور مؤثر سمجھنے سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تم تمام عالم کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مسخر و مجبور مثل جمادات کے سمجھو جس طرح اینٹ پتھر تم کو اپنے ارادہ و اختیار سے تمکو کچھ نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جبتک تم مخلوق کو نادر و مدبر سمجھتے رہو گے مرض ریا سے کبھی نجات نہیں پا سکتے۔

تمہارے باقی سوالات میں بعض تو ایسے ہیں جنکا جواب تم کو ہماری تصانیف سے بخوبی مل جائے گا اور بعض ایسے ہیں جن کا جواب لکھنا جائز ہے جس قدر تم کو معلوم ہو چکا ہے اس پر عمل کئے جاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی تم کو مکشوف ہو جاوے گا جو تم اس وقت نہیں جانتے۔ اس کے بعد اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آ دے تو سوائے زبان دل کے مجھ سے نہ پوچھنا ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرًا لھم۔ اور اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت قبول کرو۔ فلا تسئلن عن شئی حتی احدث لک منہ ذکرا تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھو یہاں تک کہ میں ہی تم سے اس کا ذکر شروع کروں جلدی مت کرو جب وقت آ دے گا خود تم سے کہدیں گے بلکہ دکھا دیں گے سأریکم اٰیتی فلا تستعجلون۔ ہم قریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے تو تم ہم سے جلدی کی خواہش مت کرو۔ نیز اور تم مت پوچھو جب واصل ہو جاؤ گے خود دیکھ لوگے۔ لیکن اس کا یقین کر لو کہ بدون راہ پیمائی کے وصول اور مشاہدہ نا ممکن ہے اد لبعہ لیبیرد ا

فی الارض فینظروا۔ کیا وہ زمین نہیں چلے پھرے تاکہ وہ دیکھ لیتے۔
بیٹا۔ خدا کی قسم اگر رہروی کرو گے تو عجائبات دیکھو گے۔ ہر منزل میں
جان توڑ کوشش کرو۔ کیونکہ بددل ایسی کوشش کے کامیاب نہیں ہو سکتے
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد سے کیا اچھا
فرمایا ہے۔ ان قدرت علی بذل الروح فتعال والا فلا تشتغل بترھات
الصوفیۃ والقال۔ اگر تم اس راستہ میں جان تک قربان کر دینے پر قدرت
رکھتے ہو تو آؤ۔ ورنہ صوفیوں کی دل خوش کن باتوں میں مصروف نہ ہو قصہ
مختصر تم کو آٹھ باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ چار تمہیں سے کرنے کی ہیں اور چار
نہ کرنے کی۔ تاکہ تمہارا علم قیامت کے روز تمہارے مقابلہ میں مدعی بن کر نہ کھڑا
ہو جاوے۔ جو باتیں کرنے کے قابل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تا امکان
کسی سے مناظرہ و مباحثہ نہ کیجو کیونکہ اسکی منفعت سے اسکی مضرتیں اور گناہ
زیادہ ہیں۔ یاد رکھو کہ مناظرہ تمامی اخلاق ذمیمہ کا جیسے ریا۔ کینہ حسد۔ تکبر
عداوت۔ تفاخر وغیرہ کا منبع ہے۔ البتہ اگر سچی نیت سے اظہار حق کے لئے
کسی سے کسی مسئلہ میں گفتگو کرو تو اسمیں کچھ حرج نہیں۔ مگر سچی نیت کی دو علامتیں
ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہر حال میں حق کے طالب رہو۔ چاہے تمہاری زبان سے
ظاہر ہو یا تمہارے مقابل کی زبان سے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ تنہائی
میں مناظرہ پسند کرو۔ اگر تمہیں اس امر کا یقین ہو جاوے کہ تم جو کچھ کہہ رہے
ہو حق ہے اور تمہارا مقابل کٹ حجتی کرتا ہے تو خبردار فوراً گفتگو ترک
کر دو اور مناظرہ کے پاس نہ جاؤ ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ تم دونوں میں
منافرت پیدا ہو جائے گی۔ اور فائدہ بالکل مفقود۔ یہاں ہم تمہیں ایک اور
مفید بات بتلاتے ہیں۔ دیکھو مشکل باتوں کا علماء سے پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے

مریض کا طبیب سے دوا پوچھنا۔ اور ان باتوں کا جواب دینا ایسا جیسے طبیب کا علاج کرنا۔ تو جتنے معلم ہیں سب بیمار ہیں۔ اور علماء طبیب۔ مگر عالم ناقص طبیب نہیں ہو سکتا۔

طبیب کامل اُسی بیمار پر ہاتھ ڈالتا ہے جس کے بچنے کی اُمید ہوتی ہے اور جہاں کہیں وہ طبیعت کو مغلوب اور مرض کو غالب پاتا ہے اس کے علاج میں اپنا وقت عزیز ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح مرض جہل کی چار قسمیں ہیں۔ جنمیں سے تین علاج پذیر نہیں اور ایک علاج پذیر۔ اول جو شخص ازراہ حسد تم سے سوال واعتراض کرتا ہے۔ اور حسد کو تم جانتے کیسا لا علاج مرض ہے تو تم اسکو جسقدر عمدہ اور واضح جواب دو گے اسی قدر اس کا غصہ اور کینہ بڑھتا جاوے گا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

کل العداوۃ قد ترجی ازالتہا　　الا عداوۃ من عاداک من حسد

ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ مگر جو عداوت ازراہ حسد ورشک ہوتی ہے اس کے ازالہ کی امید نہیں۔ ایسے شخص کا علاج یہ ہے کہ تم اسکو اس کے حال پر چھوڑ دو اس کے علاج کی طرف ہرگز توجہ نکرو۔ فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا جس نے ہماری یاد سے منہ پھیر لیا اور اس کی مراد بجز دنیوی زندگی کے کچھ نہیں تو تم بھی اس سے منہ پھیر لو۔

حاسد کا ہر قول وفعل جو ازراہ حسد ہوتا ہے خود اسی کے لئے برق خرمن ہے حدیث میں ہے الحسد تاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب حسد یعنی رشک بھلائیوں کو اسطرح کھاجاتا ہے۔ جیسے آگ سوکھی لکڑی کو۔ دوسرا وہ جاہل جس کا جہل بوجہ حماقت کے ہوتا ہے جو دو چار کتابیں پڑھ کر ہمچو من دیگرے نیست کا دم کھبرنے لگتا ہے۔ اور بڑے بڑے علماء پر جن کی تمام عمر علمی مشاغل

میں گزر گئی ہے اعتراض کرتا ہے اور وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ میری کیا حقیقت ہے اور جن علمار پر اعتراض کرتا ہوں وہ کیسے بلند پایہ ہیں۔ تو تم ایسے احمق کا بھی جواب مت دو بلکہ اس سے منہ پھیر لو۔ حضرت عیسیٰ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے مردہ کو تو زندہ کر دیا مگر احمق کی اصلاح نہ کر سکا۔

تیسرا وہ طالب حق ہے جو بغرض استفادہ بزرگان دین کے اقوال کے معنی پوچھتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ بلید اور فہم حقائق سے اس کا ذہن قاصر ہے۔ اپنے قصور فہم سے بھی لاعلم ہے تو ایسے کے سمجھانے کی طرف بھی متوجہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم ہم گروہ انبیار کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی عقول کا اندازہ کر کے ان سے بات کیا کریں تو یہ مریض بھی لاعلاج ہے۔ چوتھا وہ طالب حق جو نہایت ذکی ذہین اور سچے دل سے صراط مستقیم کا طالب ہے، غصہ، شہوت، حسد، حب مال و جاہ سے اس کا دل پاک ہے تم سے کوئی سوال کرے تو اس کا جواب دینا اور پوری طرح سمجھا دینا مناسب بلکہ ضروری ہے اور یہی ایک مرض جہل ہے جو علاج پذیر ہے۔

دوسری بات جو کرنی قابل نہیں ہے کہ تم وعظ گوئی سے بچنا مگر اس وقت جبکہ تم خود پورے پورے عامل بن جاؤ۔ اور اس خطاب سے ڈرتے رہو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا۔ یا ابن مریم عظ نفسك فان اتعظت فعظ الناس والا فاستحی منی اے ابن مریم تم اپنے نفس کو نصیحت کرو، جب وہ نصیحت پذیر ہو جائے تو لوگوں کو کرو ورنہ مجھ سے شرم کرو۔ اور اگر ایسا اتفاق پڑ جائے کہ تمہیں وعظ کہنا ہی پڑے تو دو باتوں سے

ضرور بچنا۔ ایک بے تکلف مقفی و مسجع عبارات بولنے اور خوشنما اشارات و دلخوش کن اشعار و ابیات پڑھنے سے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تکلف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب رفتہ رفتہ تکلف حد سے بڑھ جاتا ہے تو یہ علامت ظاہر ہوتی ہے خرابی باطن اور غفلت دل کی۔ وعظ اسکو کہتے ہیں کہ آخرت کے مصائب کو اور اُس تقصیر کو جو خدا تعالیٰ کی طاعت و خدمت میں لوگوں سے واقع ہوتی ہے۔ یاد دلاؤ۔ عمر گذشتہ کی خرابی اور آخرت کی دشوار گذاری سے ڈراؤ۔ تاکہ ایمان محفوظ رہے ملک الموت کے قبض روح سے منکر و نکیر کے سوال۔ قیامت اور اس کے ہولناک واقعات سے۔ محاسبہ۔ وزن اعمال سے۔ پل صراط پر گذرنے۔ دوزخ اور اس کے مصائب و تکالیف سے ڈراؤ اور سامعین کے عیوب سے ان کو مطلع کرو تاکہ متاثر ہوں اور برباد شدہ عمر پر حسرت کر کے تلافی مافات کریں۔ یہ ہے اصلی وعظ دیکھو اگر کسی کے گھر کی طرف سیلاب آرہا ہے اور وہ یقین کرتا ہے کہ کوئی دم میں زن و فرزند مال و اسباب سب کا سب اس میں بہ جائے گا تو کیا وہ ایسے وقت میں سوچ سوچ کر مقفی و مسجع عبارات بولے گا یا بے تکلف جس طرح ممکن ہوگا۔ چلا دیگا پکار کر کہے گا کہ گھر والو بھاگو بھاگو سیلاب آگیا۔ بس وعظ اسی طرح بے تکلف خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈرانے کی غرض سے کہنا چاہیئے۔ دوسری بات قابل احتراز یہ ہے کہ وعظ کہتے وقت اس کا خیال نہ رکھنا کہ تمہاری مجلس وعظ میں کتنے چیختے چلاتے ہیں کتنے روتے اور ہائے داد ویلا مچاتے ہیں۔ کتنے بیخود ہو کر کپڑے پھاڑتے ہیں تاکہ لوگ تمہاری تعریفیں کریں کہ فلاں مولوی صاحب نہایت دل گداز وعظ کہتے ہیں۔ یہ خوشامد غفلت سے پیدا ہوتی ہے اور غفلت ہی وہ چیز ہے جو بندہ کو خدا تعالیٰ سے دور پھینکدیتی ہے۔ بلکہ تم کو وعظ کے وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ لوگوں کو دُنیا

سے آخرت کی طرف معصیت سے طاعت کی طرف غفلت سے بیداری کی طرف غرور سے تقوی کی طرف بلاؤ۔ وہ باتیں کرو جس سے سننے والوں کو تقوی اور عبادت کی طرف رغبت پیدا ہو۔ اسکو خوب غور سے دیکھو کہ حاضرین و سامعین میں کون کون سی باتیں شریعت اور رضائے حق تعالی کے خلاف ہیں اور کیا کیا اعمال و اخلاق بد ہیں جو انمیں کثیرا موجود ہیں۔ ان باتوں کو خوب سوچ سمجھ کر ان کی اصلاح کرو۔ اور ان سے نفرت دلاؤ۔ جن پر خوف غالب ہے ان کو سنت کی طرف بلاؤ۔ جن کے معاملات از قسم بیع و شراوغیرہ خراب ہیں ان کو صحیح طریقے بتلاؤ۔ جو قید مذہب سے آزاد رہنا پسند کرتے ہیں ان کو پابندی مذہب کی رغبت دلاؤ۔ اس طرح کہ سامعین تمہاری مجلس وعظ سے صفات حمیدہ کے معتقد و گرویدہ ہو کر اوصاف ذمیمہ سے ظاہراً و باطناً متنفر و پاک ہو کر عبادت و طاعت میں راغب ہو کر معصیت و نافرمانی سے ہراساں ہو کر اٹھیں۔ اور جو وعظ ایسا نہیں وہ کہنے والے پر بھی وبال ہے اور سننے والے پر بھی بلکہ ایسا واعظ جو امور مذکورہ بالا کا لحاظ نہیں رکھتا وہ ایک شیطان ہے۔ جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان کا خون ناحق اپنی گردن پہ لے کر انکو ہمیشہ کے لئے مردہ بناتا ہے بلکہ اس کا فساد شیطان کے فساد سے بھی زیادہ ہے۔ مخلوق پر واجب ہے کہ ایسے واعظ سے کوسوں بھاگیں اور جس کو خدا تعالی قدرت و توفیق دے۔ اُس پر واجب ہے کہ ایسے واعظ کو منبر سے اتار دے۔ اس لئے کہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جو ہر مسلمان پر بقدر استطاعت واجب ہے۔ تیسری بات جس سے احتراز ضروری ہے یہ ہے کہ امراء اور بادشاہوں سے جو نشۂ دنیا میں مخمور اور دین سے نفور ہیں میل جول نہ رکھو بلکہ ان کو دیکھو بھی نہیں کیونکہ اس میں بڑی بڑی آفتیں ہیں اور اگر کسی ضرورت سے مجبور ہو کر تمکو ان سے

ملنا ہی پڑے یا وہ خود تم سے ملیں تو خبردار ان کی مداحی و ثنا گستری سے اپنے آپ کو دور رکھنا کیونکہ جب فاسق و ظالم کی مدح کی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور جس شخص نے ظالم کے لئے طول عمر کی دعا کی اس نے اس بات کو پسند کیا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی مدتوں تک ہوتی رہے اور چوتھے یہ کہ ان کا کوئی ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کیجو۔ اگرچہ تم جانتے ہو کہ انہوں نے حلال کمائی سے تم کو دیا ہے اس لئے کہ ان کے مال کی طمع رکھنا فساد دین کا سبب ہے اس مداہنت اور ان کے ساتھ ساتھ مراعات و محبت اور ان کے ظلم و فسق کے ساتھ موافقت تمہارے دل میں پیدا ہو جاویگی اور یہ سب باتیں دین کی برباد کرنے والی ہیں۔ کم از کم تم اس مضرت سے تو بچ ہی نہیں سکتے " کہ ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے تمہارے دل میں ان کی محبت ہو جاوے گی اور محبت کا تقاضا یہ ہوگا کہ تم ان کی درازی عمر کی تمنا کروگے اور ایسی تمنا درحقیقت فسق و فجور کے زیادہ اور عالم کے برباد ہونے کی تمنا ہے جس سے بدتر کوئی تمنا اور خواہش نہیں ہو سکتی۔ دیکھو خبردار خبردار تم شیطان کے اس دھوکے میں نہ آجانا کہ میاں امراء سے روپیہ لے کر فقراء اور محتاجوں کو دے دو اور ان کو راحت پہنچاؤ۔ وہ اس روپیہ کو اگر خرچ کرتے تو فسق و فجور میں کرتے تم تو مصرف خیر میں دیتے ہو۔ یہ شیطان کا بڑا بھاری فریب ہے جس سے وہ تم کو اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ اس طریق سے اس نے بہت لوگوں کو تباہ و گمراہ کیا ہے۔ اس میں جتنی آفتیں ہیں وہ ہم نے مفصلاً احیاء العلوم میں لکھ دی ہیں اس میں دیکھ لو۔ یہ چار چیزیں ہیں جن سے تم کو احتراز کرنا ضروری ہے۔ اب ہم وہ چار باتیں بیان کرتے ہیں جو کرنے کی قابل ہیں۔ پہلی یہ کہ تم خدا تعالیٰ سے ایسا معاملہ کرو جیسا کہ تم اپنے غلام سے اپنے ساتھ

کرانا چاہتے ہو. یعنی جس قسم کی باتیں تم اپنے غلام سے پسند کرتے ہو اور اس پر خوش ہوتے ہو ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ کرو. اور جس قسم کے افعال و اعمال تم اپنے غلام سے پسند نہیں کرتے وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں بھی مت کرو. حالانکہ یہ کھلی بات ہے کہ غلام درحقیقت تمہارا بندہ نہیں بلکہ تمہارا زر خرید ہے اور تم واقعی خدا تعالیٰ کے بندہ ہو کیونکہ وہ تمہارا خالق ہے اور تم اس کے مخلوق ہو. تو خدا تعالیٰ کے حقوق تمہارے حقوق سے اور تمہارے فرائض غلام کے فرائض سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تم مخلوق کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو ان سے اپنے حق میں پسند کرتے ہو. حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی اُس وقت کامل الایمان ہوتا ہے جبکہ وہ تمام مخلوق کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تیسری بات یہ کہ علم کا مطالعہ کیا کرو. مگر کون سے علم کا. تو اس کا انتخاب اس طرح ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر تمکو یہ بتلایا جاوے کہ تمہاری زندگی میں صرف ایک ہفتہ باقی ہے تو ایسے وقت میں تم کون سے علم کا مطالعہ کروگے. ظاہر ہے کہ تم وہ علم منتخب کروگے جو مرتے وقت اور مرنے کے بعد تمہاری فریادرسی کر سکے تو ایسا علم نہ صرف و نحو ہے نہ طب و ریاضی وغیرہ ہے بلکہ وہ علم اپنے دل کے حالات کا جاننا اور اپنی صفات کا پہچاننا ہے اور اسکو علائق دنیوی اور اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنے اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اپنے اندر اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور عبادت میں مشغول ہونے کا علم ہے. سنو تو سہی اگر بادشاہ وقت تم کو اطلاع دے کہ ہم ایک ہفتہ بعد تمہارے مکان پر تم سے ملنے آویں گے تو یقیناً اس ہفتہ میں تم کو ہر گھڑی یہی دھن رہے گی کہ مکان نہایت آراستہ و صاف رہے کوئی چیز بے قرینہ نہ رکھی رہے. کپڑے عمدہ اور ستھرے ہوں

الغرض نہایت نکتہ رسی سے تم اس بات کا اہتمام کروگے کہ کوئی امر خلاف مزاج سلطانی نہ ہونے پاوے جو اسکی ناخوشی کا سبب ہو تو اسی طرح تمکو اپنی تمام زندگی بھی اسی دھن میں بسر کرنی چاہیئے کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے حضور میں کسی وجہ سے تم کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اب تم خود سوچ سمجھ لو کہ میں نے تم سے شروع سے آخر تک کیا کہا ماشاءاللہ سمجھدار اور عاقل ہو۔ اور عاقل کے لئے ایک اشارہ بھی کافی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ لا ینظر الی صورکم و لا الی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم۔ حق تعالیٰ اعمال کو بدون اخلاص نیت کے اور صورتوں کو بدون درستی قلب کے منظور نہیں فرماتا۔ اگر تم احوال قلب جاننا چاہتے ہو تو ہماری کتاب احیاء العلوم وغیرہ کو پڑھو (اردو میں اس کا ترجمہ ہو گیا ہے جس کا نام مذاق العارفین ہے) یہ علم سب مسلمانوں پر فرض عین ہے اور باقی علوم فرض کفایہ۔ مگر ان باقی میں بھی اتنا علم فرض عین ہے جس کے جاننے سے احکام خداوندی کی صحیح تعمیل ہو سکے۔ چوتھی بات کرنے کی یہ ہے کہ اپنے عیال کے لئے ایک سال کا سامان کیا کرو جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے لئے کیا کرتے تھے۔ ان میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو چونکہ قوت یقین کامل حاصل تھی اس لئے ان کے لئے نہ ایک [illegible] کا سامان مہیا فرماتے تھے۔ نہ ایک سال کا۔

یہاں تک ہم تمہاری حسب خواہش لکھ چکے چاہیئے کہ تم اس پر عمل کرو۔ اور مجھے بھی دعا میں یاد رکھو تم نے مجھ سے یہ بھی درخواست کی ہے کہ کوئی دعا تم کو بتلاؤں تو بیٹا احادیث صحیحہ میں ہر قسم کی دعائیں کثرت سے موجود ہیں اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے طریق میں بھی بہت سے دعائیں ہیں وہ تمہارے لئے

لئے بلکہ ہر مسلمان کے لئے کافی وشافی ہیں۔ ایک دعا میں بھی بتلاتا ہوں اس کو خاص کر ہر نماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔

اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ مِنَ النِّعْمَةِ تَمَامَهَا وَمِنَ الْعِصْمَةِ دَوَامَهَا وَمِنَ الرَّحْمَةِ شُمُولَهَا وَمِنَ الْعَافِيَةِ حُصُولَهَا وَمِنَ الْعَيْشِ اَرْغَدَهُ وَمِنَ الْعُمْرِ اَسْعَدَهُ وَمِنَ الْاِحْسَانِ اَتَمَّهُ وَمِنَ الْاِنْعَامِ اَعَمَّهُ وَمِنَ الْفَضْلِ اَعْذَبَهُ وَمِنَ اللُّطْفِ اَقْرَبَهُ وَمِنَ الْعَمَلِ اَصْلَحَهُ وَمِنَ الْعِلْمِ اَنْفَعَهُ وَمِنَ الرِّزْقِ اَوْسَعَهُ اللّٰھُمَّ كُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا اللّٰھُمَّ اخْتِمْ بِالسَّعَادَةِ اٰجَالَنَا وَحَقِّقْ بِالزِّيَادَةِ اٰمَالَنَا وَاقْرِنْ بِالْعَافِيَةِ غُدُوَّنَا وَاٰصَالَنَا وَاجْعَلْ اِلٰى رَحْمَتِكَ مَصِيْرَنَا وَمَآلَنَا وَاصْبُبْ سِجَالَ عَفْوِكَ عَلٰى ذُنُوْبِنَا وَمُنَّ عَلَيْنَا بِاِصْلَاحِ عُيُوْبِنَا وَاجْعَلِ التَّقْوٰى زَادَنَا وَفِىْ دِيْنِكَ اجْتِهَادَنَا وَعَلَيْكَ تَوَكُّلَنَا وَاعْتِمَادَنَا اِلٰھَنَا ثَبِّتْنَا عَلٰى نَهْجِ الْاِسْتِقَامَةِ وَاَعِذْنَا مِنْ مُوْجِبَاتِ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَخَفِّفْ عَنَّا ثِقْلَ الْاَوْزَارِ وَارْزُقْنَا عِيْشَةَ الْاَبْرَارِ وَاكْفِنَا وَاصْرِفْ عَنَّا شَرَّ الْاَشْرَارِ وَاَعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ اٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا مِنَ النَّارِ وَالدِّيْنِ وَالْمَظَالِمِ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ وَيَا كَرِيْمُ وَيَا سَتَّارُ وَحَلِيْمُ وَيَا جَبَّارُ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اے اللہ میں آپ سے نعمت کاملہ مانگتا ہوں اور دائمی پاک دامنی اور رحمت شاملہ اور حصول عافیت اور خوشدلی کی زندگی اور خوش نصیبی کی عمر اور احسان تام اور انعام عام اور نہایت شیریں فضل اور بہت قریب مہربانی

رعمل بہت اچھا اور علم نہایت نافع اور رزق بہت زیادہ ہے اے اللہ آپ
رے موافق رہیے اور مخالف نہ رہیے۔ اے اللہ ہماری زندگیوں کو
ب بخشی کے ساتھ ختم کیجئے اور ہمارے اعمال کثیرہ ٹھیک فرما دیجئے اور ہماری
صبح و شام کو عافیت سے مقرون کر دیجئے اور ہمارا مرجع و مآل اپنی رحمت
طرف کر دیجئے اور ہمارے گناہوں پر عفو کا پانی بہا دیجئے اور اصلاح عیوب
رکے ہمکو ممنون فرمائیے۔ اور پرہیزگاری کو ہمارا زاد راہ بنا دیجئے اور ہماری
کوششوں کو اپنے دین ہی میں مصروف رکھئے اور اپنے ہی اوپر ہمارا توکل و
اعتماد قائم رکھئے۔ اے ہمارے معبود آپ ہمکو استقامت کے طریقہ پر ثابت قدم
رکھئے اور قیامت کے دن موجبات ندامت سے ہمکو پناہ دیجئے اور ہمارے
گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دیجئے اور ہم کو نکوکاروں کی سی زندگی نصیب کیجئے
ور آپ ہمارے کافی ہو جائیے اور بدکاروں کی بدی کو ہم سے پھیر دیجئے
ور ہماری گردنوں کو اور ہمارے ماں باپ کی گردنوں کو آگ سے اور قرض
سے اور ظالم سے بری کر دیجئے اے بڑی عزت والے اے بڑے بخشنے والے
اے عظمت والے اے پردہ پوش اے بڑے بردبار اے شکستہ دلوں کو
درست کرنے والے اپنی رحمت سے اے بڑے رحم کرنیوالے۔ اور خدا تعالیٰ
کی رحمت نازل ہو جو اس کے برگزیدہ ترین خلق محمد پر اور ان کی اولاد و
اصحاب پر سب اور سب تعریفیں خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پالنے
والا ہے۔

تمت

37

تقاریر امام غزالیؒ

(اُردو ترجمہ)